جلوۂ نمو

جلوۂ نمو

نظموں، غزلوں اور رُباعیوں کا مجموعہ

حرمت الاکرام

ناشر: حلقۂ ترویج ادب، رام باغ مرزاپور
[یو۔پی]

قیمت: پندرہ روپے

اُتر پردیش اُردو اکاڈمی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی

طباعت: نیشنل آرٹ پرنٹرس الہ آباد

کتابت: سلیم اللہ نیرّ

اشاعت: ۱۹۷۷ء

تعداد: ایک ہزار

قیمت: پندرہ روپے

ناشر: حلقۂ ترویج ادب

رام باغ، مرزا پور

[یو-پی]

حرمت الاکرام کی دوسری مطبوعات:

اجالوں کے گیت: پچیس منتخب نظموں کا مجموعہ [۱۹۵۷ء]

کلکتہ: اک سباب کلکتہ کے مختلف اہم پہلوؤں کی شعری تصویر [۱۹۶۶ء]

ہمارے شاعر: شعری انتخاب۔ بخط دیوناگری [۱۹۶۹]

کھیل کھلونے بچوں کا شعری ادب [۱۹۷۲]

شہپر منتخب نظموں اور غزلوں کا مجموعہ [۱۹۷۳]

ہ

غیر مطبوعہ تصانیف:

.... [نظمیں اور غزلیں]

کلکتہ: اک باب [اضافہ شدہ ایڈیشن]

[تنقیدی اور ادبی مضامین]

متاعِ خوں [قومی اور وطنی نظمیں]

جہاں نما [صحافتی قطعات]

محبت کی رسمیں [مختصر سماجی ناول]

ہ

انعام و اعزاز:

کلکتہ: اک دباب' پر ساہتیہ اکاڈمی، اتر پردیش کا انعام: پانچ سو روپے [۱۹۶۷]

نمایاں ادبی خدمات کے اعتراف میں آل انڈیا میر اکاڈمی، لکھنؤ کا سالانہ وظیفہ: ساڑھے تین سو روپے [۱۹۶۸ء]

جونئیر چیمبر آف کامرس [مرزا پور] کا سپاسنامہ [۱۹۶۹]

'شہپر' پر اتر پردیش اردو اکاڈمی کا انعام: دو ہزار روپے [۱۹۷۴]

ایک قندیل سے ہوتا ہے چراغاں کیا کیا!

نظمیں

متاع کارواں [قومی اور وطنی نظمیں]

۰

غـــزلیں

انتساب

حرمتِ قدم قدم پہ کٹانا پڑا ہے سر
لمحات کا سفر ہے کہ چلتی چھری کی دھار

حرمت الاکرام

نظمیں

روشنی ہی مری منزل بھی مرا مدفن بھی
فکر کی دھوپ میں تپتا ہوں بیاباں کی طرح

رقصِ نوا پر ایک زمانہ جھومے اور اِترائیں ہم
پاؤں دیکھ کے موٗر کی صورت شرما شرما جائیں ہم

ایک مشعل

درماندہ رہرووں کا سرمایۂ سفر ہے
لمحوں کے پیچ و خم میں سو طرح جلوہ گر ہے
امروز کی پیامی، فردا کی نامہ بر ہے
یہ روشنی امر ہے

رفتارِ روز و شب کی اک زرنگار آہٹ
تاریخ کا تبسم، کرنوں کی گنگناہٹ
ادراک کی صدا ہے، احساس کی نظر ہے
یہ روشنی امر ہے

جاں سوز ظلمتوں کا پندار توڑ دے گی
سینوں میں زندگی کا امرت نچوڑ دے گی
یہ وقت کے اُفق کی اک صبحِ معتبر ہے
یہ روشنی امر ہے

ماتھے پہ کھلائے گی بل، لہرائے گی دلوں میں
آوازۂ جرس ہے، مچلے گی قافلوں میں
تمکینِ رہبری ہے تقدیرِ رہگزر ہے
یہ روشنی امر ہے

تخلیق و تحسین

کسی دور کے گاؤں میں
چل کے رہنے کو جی چاہتا ہے،
یہ بیمار صنّاعیوں کا خرابہ
گرجتی مشینوں کا صحرا
فنا زارِ حرف و نوا ہے
کھٹکتی ہے اک پھانس سی دل میں اکثر کہ مجرم ہوں میں فکر کی خلوتوں کا
تخیل چبھوتا ہے نشتر کہ بادل دھوئیں کے ہیں پھیلے ہوئے،
راہِ پرواز مسدود ہے، کس طرف جایئے؟
روشنی اپنی بے نوریوں کی کہانی سُنانے کو بیتاب ہے
آگہی، سینے میں جھومتی ناگنیں: آستینوں میں خنجر لئے
کو بکو گھومتی ہے بصد عشرتِ دلبری
ارتقا ایک شہ زور قاتل کی صورت [سجائے ہوئے محفلِ روز و شب]
خندہ زن ہے کہ قانون سے اس کو خطرہ نہیں
[تختۂ دار کی فکر کس واسطے؟]

شورشِ نطق ہتھوڑے لئے پر فشاں ہے کہ رہنے نہ پائے سلامت کوئی آبگینہ
بلا کوش آوازوں کی گولیاں اینڈتی ہیں فضا میں
پھرا کرتے ہیں سہمے سہمے ہرن نرم گفتاریوں کے،
لئے میں بھی دامن میں اک آبگینہ
ہتھوڑوں کی یورش سے لرزاں ہراساں
یہ دیکھا کیا ہوں کہ بازار کی بے بصر رونقیں مسکرانے لگی ہیں گھروں کی متاعِ سکوں پر،
ہوئی جاتی ہیں شاہراہیں کشادہ
کہ سینوں کی پہنائیوں کا کوئی اور مصرف بھی ہے؟
انکشاف اس کا آسان اتنا نہیں،
آنگنوں کا وجود اپنی معصومیوں کی کشش کھو چکا
نیم کی مہرباں چھاؤں ماضی کے اوراقِ پارینہ میں جا چھپی
عظمتِ کاخ و کو اس کی ٹھنڈی رفاقت سے بیزار ہے،
آدمی صرف چہروں میں جینے لگا ———
دھڑکنوں سے کہا: جاؤ تاریک غاروں میں آرام سے سو رہو

اِسی واسطے میں مسلسل یہ سوچا کیا ہوں
کہ چل کر کسی دور کے گاؤں میں گھر بناؤں،
مرا سوزِ تخلیق ہے اک امانت شعورِ تکلم کے نیرنگِ لفظ و بیاں کی
میں رسم چراغاں میں اس کو گنواؤں؟

معانی کو اندھے کنووں کا کھلونا بناؤں
لٹاؤں تفکر کی خوش کامیاں شورِ تحسیں کی شیرینیوں کے عوض،
اِن تقاضوں کی تکمیل کا جبر کیسے گوارا کروں؟
امتحاں میرے آئینِ اخلاق کا لینے والو! یہ سوچو
حلاوت نہیں فن کی منھ کا مزہ ٹھیک کرنے کی خاطر
یہ خونِ جگر ہے نہ پچکاریوں میں بھرا جاسکے گا
کہ ہوں منعقد رنگ پاشی کے میلے
یہ بیدار راتوں کی ہولی جلانے کی ہے، کھیلنے کی نہیں
اس کے شعلوں سے مجھ کو بچاؤ
قلم کو نہ ایندھن بناؤ

نگاہوں کی یلغار مجھ کو ہمیشہ ڈراتی رہی ہے
مری غیرتِ فن کو انبوہِ انفاس سے جانے کیوں آنچ آتی رہی ہے
[زمانے کے آئینِ گوہر فروشی پہ طبعِ صدف آشنا مسکراتی رہی ہے]
نہ جشنوں کا طالب نہ میں قدرداں محفلوں کا
[مذاقِ سخن اک کنول ہے سلگتے دلوں کا]
تعارف خط و خال کا بھی ہو، اچھا ہے لیکن نظر کس طرح تجربوں سے چراؤں؟
شناسائیوں نے ستایا ہے کتنا؟ بتاؤں تو دو چار تیر اور کھاؤں
کوئی مجھ کو پہچان کر کیا کرے گا؟
مرے نام سے مجھ کو جانے زمانہ
یہی میرا چہرہ — یہی میرا دل ہے
٥

تعاقب

یہ آواز اِسی طرح پیچھا کرے گی
زمیں سے فضا تک، فضا سے خلا تک
تمنّاؤں کی جاگتی داستانیں بکھیرا کرے گی
یہ آواز تاریخ کی بے ریا وادیوں سے
نکلتی ہوئی مرحلہ مرحلہ
وقت کا پیچھا کرتی چلی آئی ہے
خندہ ساماں گزرتی چلی آئی ہے

یہ آواز بدخو چٹانوں سے ترشے دریچوں کو
اک اجنبی راہرو کی طرح
تھپتھپایا کرے گی،
جلو میں لئے صبح کی نکہتوں کے شرر
خواب آلود ذہنوں سے کھیلا کرے گی

چھپائے کلیجے میں ٹھنڈی چتائیں
یہ شکوہ کرے گی
کہ دھرتی کی پھیلی ہوئی گود میں
نیند جادو کی مانند پیوست ہے،
یہ آواز ہر گام پر بے نیازانہ
ادراک کے قافلے کو پکارا کرے گی
کہ صدیوں کی خوابیدگی کی ردا
آدمی اپنے چہرے سے سرکا سکے
آنکھ کھولے، زباں کام میں لا سکے

زندگی کے لئے

دوستو! شہر خوباں سے واپس چلو

فطرت کاکل و رخ کے عنواں وہی
شام حرماں وہی سوزِ پنہاں وہی
ایک ہی داستاں ایک ہی گفتگو
ایک ہی آرزو ایک ہی جستجو
دلنوازی وہی جانگدازی وہی
سرگرانی وہی سرفرازی وہی
اک طرف چاندنی مسکراتی ہوئی
اک طرف زندگی خاک اڑاتی ہوئی
ایک ہی دائرہ ایک ہی رہ گزر
ایک محور پہ گھومے کہاں تک نظر؟
ایک افسانہ، اک راگنی، ایک لے
زندگی ہے کہ گردش میں اک چاک ہے
دوستو! شہر خوباں سے واپس چلو

لمحوں کی سرسراتی ہوئی آنچ سے

پگھلے پگھلے سے ہیں روح کے آئینے
دوش پر اپنی زلفیں پریشاں کیے
زندگی آئی ہے کچھ تقاضے لیے
زندگی ہیر بھی ہے زلیخا بھی ہے
زندگی سوہنی بھی ہے لیلیٰ بھی ہے
زندگی شعلہ بھی زندگی لالہ بھی
زہر کا جام بھی، شہد کا پیالہ بھی
زندگی اپنے جلووں کی جھلمل لیے
زندگی اپنی کرنوں کا محمل لیے
ڈھونڈتی ہے کسی قیس کے پیار کو
ڈھونڈتی ہے کسی دل کے بیمار کو
وقت کا ہر تقاضا ہے اک بے ستوں
کتنا سنگین ہے خسروی کا فسوں!
زندگی کو بھی اک کوہکن چاہیے
زندگی کو بھی اک تیشہ زن چاہیے
دوستو! شہر خوباں سے واپس چلو دوستو! شہر خوباں سے واپس چلو

ہیر کے واسطے سوہنی کے لیے
زندگی کے لیے آدمی کے لیے
○

بجتے ہیں ڈھل

قافلے والو! ذرا تیز چلو، تیز چلو
کتنے دلدار ہیں آغازِ سفر کے لمحات
بامِ گردوں سے اترتی ہے ستاروں کی برات
اپنے شعلوں سے الجھنے لگی تاریخ کی لَو
نور افگن ہیں جبینوں پہ دلوں کے پرتو
زندگی سجتی ہے کس شوخ ادا کا محمل!
خم بہ خم راہگزاروں کے دھڑکنے لگے دل
وسعتِ نجد میں بیدار ہوا ذوقِ جنوں
عشق کی نبضوں میں بھڑکی نئے انداز سے آگ
دل کے ہر تار پہ لہراتے ہیں دہکے ہوئے راگ
کتنا ہے شوخ زباں کاکلِ ورخ کا افسوں!
حسن نے بھیجا ہے دیوانوں کو پیغام نیا
بڑھ گئی کہہ کے صبا، تیز چلو تیز چلو
قافلے والو! ذرا تیز چلو، تیز چلو

بڑھتے قدموں کے دیے بجھتے چلے جاتے ہیں
سانسوں کی آنچ سے کہسار گلے جاتے ہیں
جرسِ وقت کی آواز کھلاتی ہے کنول
موجِ انفاس ہے یا بجتے ہیں سینوں میں ڈھل
حوصلے شورشِ طوفاں کو صدا دیتے ہیں
قطرے کو منزلِ گوہر کا پتہ دیتے ہیں
منجمد لمحوں کے خرمن پہ لپکتے ہیں شرار
جھلملاتا ہوا اٹھتا ہے مراحل کا غبار
سوزِ پنہاں کی تڑپ کب ہوئی پابندِ رسوم
کس کو بتلائیے کلیوں کی چٹک کا مفہوم
آئی آوازِ درا، تیز چلو تیز چلو
قافلے والو! ذرا تیز چلو، تیز چلو

انائے بے خبری

مجھے جو دیکھتا ہے
آئینہ اس کا ہے اور میرا سراپا
پتہ کیا ہے؟ نظر آؤں میں کس شیشے میں کیسا؟
رفیقانِ سخن جو، قدر دانانِ گرامی، حاسدانِ کینہ پرور
چڑھائے [ذہن کی آنکھوں پہ] شیشے: نیلے، پیلے، سرمئی، سبز
مرے ظاہر کو منزل جانتے ہیں
متاعِ کل اسے گردانتے ہیں
مرا باطن کہ ہے تخلیق میرے 'میں' کی
ہے آسودۂ خلوت جبین و چشم چہرہ سے پرے گہری تہوں میں
تہوں سے کوئی ناخن آزما کیوں ہو؟
کِسے فرصت ہے کاروبارِ دانش سے؟
بصیرت نالہ زن ہے جیسے محبس میں کوئی زخمی پرندہ
سفینہ آگہی کا ہے بھنور کے بازوؤں میں ایک تنکے کی طرح لرزاں
نگاہ و ذہن کو خوش آگئی وضعِ دل آسائی سرابوں کی
بدن نے ڈھونڈھ لی منزل، تعیش کے خرابوں کی

بساطِ غمازہ و ملبوس وجہِ ارجمندی ہے
تو پھر، میں کیا ہوں ــــ میرا "میں"، ہے کیا؟
یہ کون جانے [اور کیوں جانے!]
مرا "میں"، ایک موجِ بیکراں ــــ اپنی شناور
کسی صحرا سا گنجان اور بے پایاں
وہ اک قطرہ جو گوہر کے عوض بن جائے شعلہ ــــ اور
آغوشِ صدف کو پھونک ڈالے [برگہائے خشک کی صورت]
عدو وہ جس کی دانائی پہ دل جھومے
وہ قاتل جس کا خنجر زندگی بھی پیار سے چومے
وہ مونس، روح لرزے جس کے نازِ کج ادائی سے
وہ چارہ گر، گلا جو گھونٹ دے بیمار کا ہنس ہنس کے شانِ دلربائی سے
مرا "میں"، : اک مبصر، اک تماشائی۔ مری ناکامیوں، بیتابیوں، خوش کوشیوں کا،
مجھے اک طفل سا کاندھے پہ لے کر چلنے والا
کھیلنے والا شاخِ آگہی سے توڑ کر [اک پھول سا] مجھ کو

لکیروں میں، ہم آہنگی نہ رنگوں میں تعاون کا کوئی جذبہ
نہ منظر کی افق تابی نہ پس منظر کی شادابی
مگر ــــ اتنی کشش کیسی؟

یہ کس انداز کی تصویر ہے؟
کون اس میں بیٹھا ہے چھپا [یہ ماجرا کیا ہے؟]
بڑے وحشی، بڑے سرکش سوالوں میں گھرا ہوں
سلگتی سوچ کی سنسان لمبی رہگزر پر [نخلِ آسا] چپ کھڑا ہوں
سرورِ فکر کتنا عشوہ گر ہے!
میں کیا ہوں؟ ـــــ مجھ کو بھی یہ کیا خبر ہے

قلم

ہم نفس لفظ کو معنی کا بناتا ہے قلم
روحِ بے جان لکیروں کو پنھاتا ہے قلم

مسکراتا ہے تو ذہنوں میں جل اٹھتے ہیں چراغ
راز سینوں کے سفینوں کو بتاتا ہے قلم

یہ سیاہی سے بناتا ہے تجلّی کے نقوش
سرِ قرطاس مہ و مہر اُگاتا ہے قلم

مٹتے کرداروں کو دیتا ہے لباسِ تاریخ
گزرے لمحات کی روداد سناتا ہے قلم

اس کی کرنوں میں سنورتی ہے نوائے ادراک
آنچ دے دے کے داغوں کو تپاتا ہے قلم

تھرتھراتا ہے اک برقِ تپاں، جوئے رواں
آگ اُگلتا ہے قلم، آگ بجھاتا ہے قلم

نخلِ دانش ہے، صدا دیتا ہے رہگیروں کو
قلزمِ فکر ہے، پیاسوں کو بلاتا ہے قلم

تلسی و غالب و اقبال کو دیتا ہے جنم
عظمتِ خاک کو پائندہ بناتا ہے قلم

بخشتا ہے انھیں تحریر کی افشاں حرمت
مانگ اوراقِ پریشاں کی سجاتا ہے قلم

اجنبی وادیوں میں

میجر گاگارن کی اولین خلائی پرواز کا ایک تاثر

اے خوشا! عزم پرواز کا یہ سفر
جھلملائی جہانِ دگر کی سحر
وا ہوئی آدمی پر نئی رہگزر
رقص کر زندگی، زندگی رقص کر

یہ مذاقِ طلب، یہ شعورِ جنوں
سعیِ فکر و نظر کا انوکھا فسوں
کر گیا بختِ آدم کو تابندہ تر
رقص کر زندگی، زندگی رقص کر

تاج عظمت کا، دھرتی کو پہنا دیا
شوق کو اک حسیں استعارہ دیا
جستجو نے بنایا نیا مستقر
رقص کر زندگی، زندگی رقص کر

ذوقِ بیتاب کو شعلہ ساماں کیا
اک نئی انجمن میں چراغاں کیا
اجنبی وادیوں میں بجایا گجر
رقص کر زندگی، زندگی رقص کر

کارپرداز ہے بازوئے ارتقا
دے رہا ہے خلاؤں سے کوئی صدا
آزماؤ توانائیِ بال و پر
رقص کر زندگی، زندگی رقص کر

آدمی اپنی دنیا کا مختار ہے
آدمی اپنے فردا کا معمار ہے
آدمی خود نگر آدمی دیدہ ور
رقص کر زندگی، زندگی رقص کر

آدمی ہوگیا فخرِ کون و مکاں
ہوگئی عشق کی ہر نظر جاوداں
ہوگئی حُسن کی ہر ادا معتبر
رقص کر زندگی، زندگی رقص کر

وقت کے لب پہ ہے نغمۂ سرمدی
دورِ حاضر کا انعام ہے یہ صدی
قلبِ تاریخ دھڑکا بطرزِ دگر
رقص کر زندگی، زندگی رقص کر

○

رات کا قبرستان

روشنی گل ہو نہ جائے
شام گہری ہو رہی ہے
قافلوں کی بات کیسی؟
رہگزر خود سو نہ جائے،
نیند کا جادو بڑا ہے
کون جانے، صبح ہونے پر بھی آنکھوں کے پپوٹوں کو جدا ہونا نہ آئے!

سو چکی ہے رہگزر اپنی ہی باہوں میں سمٹ کر
رات اپنے گیسوؤں میں منہ چھپائے سو رہی ہے
گھات میں کس کی، اجل ہے؟ کون جانے!
رات کی یا رہگزر کی؟

روشنی گل ہو چکی ہے
ساری دھرتی سو چکی ہے
میں اکیلا جاگتا ہوں
اتنی لاشوں کے جلو میں
صبح ہو تو کیوں نہ دھرتی کو جگا کر سو رہوں میں!

○

تاج کا ہیرا

اُسے دیکھا بھی
اُس سے بات بھی کی
ہوائے سرخوشی جرعہ بہ جرعہ دل میں اُتری
غبارِ درد کی چادر سرکنے سی لگی جیسے کوئی رکھتا ہو برسوں کی پرانی چوٹ پر پھایا،
میں کیوں ناشادماں تھا؟ یہ خیال آیا
تو اپنی ہی کسی تقصیر نے خنجر دکھایا،
بس اک جھونکا چلا اور آگ بھڑکی
جھلستا ہی رہا احساس مجھ کو
یہ اپنے تجربوں کا، بس مرے پیالے میں اکثر گھول دیتا ہے
کہیں جاؤں، کہیں بھی چھپ کے میں بیٹھوں، دریچہ اک نہ اک آتش کدے کا کھول دیتا ہے
یہ ایسا نخل ہے کھلتے ہیں آنسو جس کی شاخوں میں
یہ موتی ہے مگر اس کی لووں کی جھلملاہٹ آگ بھڑکاتی ہے سینوں میں
میں کوئی خواب دیکھوں، کوئی افسانہ لکھوں قرطاسِ جاں پر
ابھاروں کوئی ست رنگی دھنک تنہائیوں کے آسماں پر
گوارا ہے کب اس کو!

گوارا ہے کب اس کو
مری دو چار لمحوں کی خوشی بھی
مگر اس دشمنِ جاں سے بچھڑنا خود کہاں مجھ کو گوارا ہے
[یہ اک ننھی سی جھلمل رات کا تنہا ستارہ ہے]
وجود اس کا برنگِ صفر ہے دل کی اکائی پر
سوا ہوگی یہ جتنی، قیمت اُتنی بڑھتی جائے گی
میں لوحِ زندگی سے محو کردوں کس طرح اِس شوخ جھلمل کو
لٹادوں ساکھ کاروبارِ ارماں کی، پھر آخر کیا کروں گا؟
میں اپنی شخصیت کا قرض [جو انکس لئے بیٹھا ہے پشتِ ناتواں پر] بھروں گا بھی تو کس
صورت بھروں گا؟

روپہلے ہوں، سنہرے ہوں مگر سکے ہوں پچھلے دور کے تو وہ دُکانوں میں نہیں چلتے
الگ ہوتا ہے کاروبار ان کا
مجھے بازار سے نسبت نہ کاروبار سے کوئی علاقہ ہے
اِسی خاطر یہ دشمن مجھ کو پیارا ہے
مرا دشمن ـــــ مرا احساس ـــــ دل کے تاج کا ہیرا!

ہ

بوند اور ریت

نشاطِ احساس کی جو اک بوند
شیشۂ وقت سے چھلک کر
سلگتی تنہائیوں کے دامن تک آگئی تھی،
گزرنے پائیں نہ چند گھڑیاں
کہ ریت میں جذب ہوگئی ہے

○

سعیِ رائگاں

کہاں کہاں میں تجھے پکاروں
کہ ایک صحرائے بیکراں میں
تو اِس طرح کھو گیا ہے جیسے
شکستہ زنجیر کا وہ حلقہ
جو زنگ کھا کر مفارقت کو بنا چکا ہو نصیب اپنا

○

ایک آواز

دن کی خاطر ہے کون سی قدغن
اک مسافر ہے یہ بھی، سورج بھی
کیا پنھائے انھیں کوئی زنجیر
[مسکرائی چراغِ شام کی لَو!]
روشنی کو بنا لو زندانی
اپنے ذہنوں کا
اپنے سینوں کا

○

جواب نہ دو!

ہندوپاک کے فرقہ پرست اور انسانیت دشمن عناصر سے

فساد و فتنہ سراپا بنے ہوئے کیوں ہو؟
ہمہ شرر، ہمہ شعلہ بنے ہوئے کیوں ہو؟
یہ آستیں کہ ہے جس میں چھپا ہوا خنجر
تمھارے دستِ جفا سے نظر چراتی ہے
جواب دو، کبھی تم کو بھی شرم آتی ہے؟
سیاہیوں کے یہ دھبّے زمیں کے ماتھے پر
یہ نفرتوں کا دھواں جس میں گم ہے روحِ بشر!
تم اپنے آپ کو ڈھونڈو تو پا نہیں سکتے
منافرت کا یہ صحرا ہے بیکراں کتنا!

تمھاری روح کہ تھی جلوہ گاہِ مہر و خلوص
درندگی کے اندھیروں پہ فخر کرتی ہے
یہ کیوں؟ جواب تم اس کا نہ دو تو بہتر ہے
کہ اس جواب کا ہر لفظ ایک خنجر ہے

کہ اس جواب میں ہے سازشوں کی بو پنہاں
کہ اس جواب میں انساں کا ہے لہو پنہاں
کہ اس جواب سے دل اور کانپ جاتا ہے
تمھاری "شوخ بیانی" سے خوف آتا ہے

خبر بھی ہے کہ یہ طوفاں ہے کس قدر بھاری؟
تمھیں کہو کہ یہ محفل کے جھلملاتے چراغ
لَووں میں جن کی نہیں پختگی کا نور ابھی
تھپیڑے تند ہواؤں کے سہہ بھی پائیں گے؟
مگر جواب تم اس کا نہ دو تو بہتر ہے
کہ اس جواب کا ہر لفظ ایک خنجر ہے
اور اِس گھڑی ہمیں خنجر نہ چاہیئے یارو!
یہ وقت اور ہے، کچھ اور ہی یہ ساعت ہے
جلاؤ پیار کے، اخلاص کے دیئے یارو!
قدم قدم پہ محبت کے پھول برساؤ
اک ایک دل کو شمیم وفا سے مہکاؤ
اک ایک دل وطن و قوم کی امانت ہے

عظیم وقت کے تیور ہیں اور کچھ، دیکھو
جو وقت کو نہ سمجھ پائے دکھ اٹھاتا ہے
خود اپنی راہ میں کانٹے کوئی بچھاتا ہے؟
کہ گھاؤ روح کے اندر ہیں اور کچھ، دیکھو
یہ گھاؤ کرتے ہیں تم سے تقاضا مرہم کا
مگر تمھارے لبوں پر ہے ذکرِ تیغ و سناں
تمھارے دستِ جفا سے ہے زندگی لرزاں
ہے رنگ اور تمھارے مزاجِ برہم کا
تم اپنے زخموں پہ نشتر چلا کے نازاں ہو!
خود اپنی راہ میں کانٹے بچھا کے نازاں ہو!
ڈرو کہ گردشِ دوراں نہ ایسا دن لائے
اٹھاؤ ہاتھ میں تم آئنہ تو شرم آئے

ڈرو کہ فیصلہ تاریخ کا کڑا ہوگا
عظیم وقت کا ہر لمحہ آئنہ ہوگا
سوال کرتا ہے انسانیت کا مستقبل
جو تم رہے یونہی خنجر بکف تو کیا ہوگا؟

○

صبحِ عبودیت

یہ سچ ہے، ایک زمانہ ہوا کہ چہروں پر
نہ رنگ ہے نہ دمک ہے نہ مسکراہٹ ہے
یہ جانتا ہوں کہ حسرت نصیب سینوں میں
کراہتے ہوئے خوابوں کی تلملاہٹ ہے
مجھے خبر ہے کہ گل پوش شاہراہوں پر
لہو کا رقص ہے شعلوں کی گنگناہٹ ہے

مصافِ زیست میں ہے یہ سپر بھی خنجر بھی
عجیب چیز جبینوں کی تمتماہٹ ہے
نہ آنکھ اس سے چراؤ، خوش آمدید کہو
یہ صبح، ایک نئی زندگی کی آہٹ ہے

○

احمدِ مرسل!

یہ کب التجائے دلِ مبتلا ہے کہ میرا سفینہ کنارے لگا دو
مگر عرض یہ ہے کہ امواجِ طوفاں سے ٹکرانے کا تم مجھے حوصلہ دو
مرے عزمِ محکم کو آواز دیتی رہے تابکے میری منزل کی دوری
خلاؤں میں مدت سے کھویا ہوا ہوں، مجھے راستہ زندگی کا بتا دو
مرا عزمِ فکر و نظر ہر قدم پر الجھتا ہے احساس کی مشعلوں سے
لرزتا ہوں اندیشۂ گمرہی سے، مجھے روح کی منزلوں کا پتہ دو
تمھارے درِ پاک سے آگے بڑھنے کی جرأت کہاں میرے ذوقِ سفر کو
شرف دے کے نازِ حضوری کا مجھ کو، حدِ ارتقائے محبت بتا دو
دلِ کشتہ کو نالۂ نیم شب کا نہ ہے کچھ فغانِ سحر کا سلیقہ
زمانہ ہوا؛ ساز یہ بے صدا ہے، اسے بھی کوئی نغمۂ جانفزا دو
سیہ پوش لمحات کے پیچ و خم میں بھٹکتی ہے ادراک کی خستہ پائی
مرے سوزِ پنہاں کو بیدار کر دو، مری آرزوؤں کو شعلہ بنا دو
حوادث کی آغوش میں مسکراؤں، شراروں کو میں لالہ و گل بناؤں
مجھے وہ نگاہِ حقیقت نما دو، مجھے وہ دلِ زندگی آزما دو

فکر کا قیدی

دنوں، ہفتوں، مہینوں سوچتا ہوں
کسی جوالا مکھی سا کھولتا ہوں اپنے پیکر کی گپھاؤں میں،
پھر — اُس کے بعد آتا ہے اک ایسا پل: زمیں ہلنے لگے جیسے
اُبل اٹھتا ہے لاوا — توڑ کر کتنی چٹانیں
اور، ساری سوچ اک بھیگی ہوئی دیوار کی صورت
اچانک بیٹھ جاتی ہے

مگر — جوالا مکھی، جوالا مکھی ہے
[یہ خروشِ نار کی تہذیب کے انداز کیا جانے !]
لرز جاتا ہوں اک ہلکی صدا پر اِس طرح اکثر
بغل سے جیسے کوئی سنسناتا تیر گزرا ہو،
کہاں لے جاؤں اپنے کو — ؟
سلگتے فلسفے حلقہ بہ حلقہ ذہن پر یلغار کرتے ہیں
کسی قدغن سے کب رکتا ہے شعلوں کا یہ فوآرہ
کہ اور اک سوچ اُسی انداز سے پھر پھوٹ پڑتی ہے —
بنا جاتا ہوں اپنی فکر کی زنجیر کا قیدی !

○

سرورِ گلشن آرائی

جیو نخلوں کی صورت، خشک پتوں کی طرح جینے کا حاصل کیا!
خیابانِ بقا میں سر سے سر جوڑے نظر آؤ
[صفیں آراستہ ہوں جیسے بانکے سورماؤں کی]
کھلاؤ پھول، پھل برساؤ، جھومو، لہلہاؤ ــــ
سر بلند اشجار کی صورت
بگولوں کے گلے مل کر ہنسو اور آندھیوں کی پیٹھ تھپکو، مشفقانہ راستہ دے دو
جیو نخلوں کی صورت، راہگیروں کی دعائیں لو
جھلستی دوپہر میں کھول دو آغوشِ مادر کی طرح باہیں
ہوا شاخوں کی دو [مجبوب کے آنچل سا لہراؤ]

نہیں اچھا کہ سوکھے زرد پتوں سا بکھر جاؤ
جدھر چاہے، ہوا تم کو اُڑا لے جائے [یہ وضعِ سبکساری نہیں اچھی]
لرز جاؤ جو اک ننھی سی چنگاری قریب آئے
کوئی بیمار بھی گزرے تو پیروں سے مسل ڈالے
یہ کیسی بے بسی ہے خشک پتوں سی؟
بہم ہوں چند احباب اور تھوڑی آگ یا ماچس کی تیلی سے، ردلیں ہاتھ تاپیں

چھوڑ جائیں اک سیہ انبار — دوشِ باد پر آوارہ پھرنے کو
یہ کیسی زندگی ہے ؟ — کیوں بکھرنا اِس قدر مرغوب ٹھہرا ہے ؟

دلوں کو کر لو صف بستہ
قدم مل جائیں گے خود ہی
جڑیں گہرائیوں میں پھیلتی جائیں — سرا اونچے ہوتے جائیں گے
بلائیں لے گی شادابی
اُمنگیں لہلہائیں گی
تناور ہوتا جائے گا سرورِ گلشن آرائی
پھل آئیں گے تو اپنے وزن کا عرفان بھی ہو گا

جیو نخلوں کی صورت، خشک پتوں کی طرح جینے کا حاصل کیا؟
خیابانِ بقا میں سر سے سر جوڑے نظر آؤ
نہیں اچھا کہ سوکھے زرد پتوں سا بکھر جاؤ
○

گاندھی

آغوش میں پھولوں کی تھرکتا ہوا شعلہ — انگاروں کے گہوارے میں سوئی ہوئی شبنم

اک جذبہ، اک احساس، اک انداز، اک آواز — نکھرا ہوا اک درد، تپایا ہوا اک غم

انسان کی صورت میں دھڑکتا ہوا اک دل — پیکر میں عناصر کے کوئی دیدۂ پُرنم

سینے میں سموئے ہوئے گنگا کا تموّج

کاندھے پہ ہمالہ کا اٹھائے ہوئے پرچم

بیداریِ افکار کا سمٹا ہوا دریا — بیتابیِ جذبات کا ٹھہرا ہوا طوفاں

فاروقؔ کا متوالا، اخوت کا پجاری — گوتمؔ کا دلآرام، اہنسا کی رگِ جاں

اپنی ہی خطاؤں کا وہ نقادِ جواں فکر — وہ اپنے ہی اسرار کا اک سیلِ خراماں

ماحول کے سینے کا دہکتا ہوا لاوا

تاریخ کے ماتھے پہ سجائی ہوئی افشاں

o

کتابوں کے آگے

کتابیں بولتی ہیں، آدمی چپ ہو گیا ہے
خروشِ ذہن کے اندھے کنویں میں کھو گیا ہے
نکالے کون، اسے اِن بے اماں گہرائیوں سے؟
بتائے کون مول آنکھوں کا، ہونٹوں کا، زباں کا؟
بتائے کون رشتہ جسم و جاں کا؟
سرِ بازار کاغذ کے ہیولوں سی زلیخائیں کھڑی ہیں
دکانوں میں کہیں چہرے ہیں آویزاں، کہیں آنکھیں جڑی ہیں
روپہلی مٹھیوں میں بھید جینے کا چھپا ہے
ہے دوشِ آگہی پر جہلِ ملفوظات کا عریاں جنازہ
خرد ہے یا کسی صحرا کا نخلِ سر بریدہ،
زباں کیوں آدمی کھولے، کتابیں بولتی ہیں
رموزِ بے زبانی کھولتی ہیں

دماغوں سے دلوں تک خامشی ہے
نظر، اوراق کے آگے جھکی ہے
کتابیں راستہ روکے کھڑی ہیں
چٹانوں کی طرح ذہنوں سے سینوں تک پڑی ہیں

کتابوں نے چڑھا رکھا ہے چلّوں پر کمانوں کو
کتابیں ریت کے طوفان کی صورت نگلتی جا رہی ہیں کاروانوں کو

دبستاں کس قدر سونا پڑا ہے!
معلّم اونگھتا ہے، چونک اٹھتا ہے مگر پھر اونگھ جاتا ہے
[نہیں مرغوب کس کو کاروبارِ عافیت کوشی!]
سیاہی اپنے ہی حرفوں کی، دیواروں کے کتبے چاٹتے ہیں
حدوں کو توڑتے ہیں، دائروں کو کاٹتے ہیں
بڑا تیکھا مزاجِ زرگری ہے
سماعت کاغذوں کی شال میں لپٹی پڑی ہے
کتابوں کی سنہری عینکوں سے جھانکتی ہے
پوچھتی ہے: زباں تا خامہ کتنا فاصلہ ہے؟
خموشی سے بیاں تک کتنی سنگیں آہٹوں کا سلسلہ ہے؟
کتابوں نے زباں پائی تو گونگا کیوں ہوا ذہن؟
ہزاروں سال پیچھے لوٹ جانے کا سفر بھی مرحلہ در مرحلہ ہے
[کہاں اتنا کسی میں حوصلہ ہے!]
چلو — آگے بڑھیں، تھوڑی سی جرأت کی ضرورت ہے
بس اک ماچس کی تیلی سے یہ کہہ دیں: آ — مدد فرما، کتابوں کی مہورت ہے

○

کتنے لمحے، کتنے سکّے!

نہ دیکھ اتنی حسرت سے مجھ کو کہ بارِ وفا سے سبکسار میں ہو چکا ہوں
وہ لمحے گرہ میں جنھیں باندھ لینا تھا — چوکھٹ پہ تیری لٹاتا رہا ہوں
کوئی مشغلہ، کوئی مصروفیت، کوئی تفریح — کچھ بھی ہو: ان سے نہ تھاما گیا میرا دامن
ترے قرب کی آرزو کھینچ لیتی تھی بے اختیارانہ
اک راہرو کی طرح، جس کو منزل کی دلدار رعنائیوں نے پکارا ہو میٹھے سُروں میں
کھِل اٹھتا تھا چہرہ ترا — دل مرا اور رہو جاتی تھی آنکھوں ہی آنکھوں میں کتنی باتیں!
[جنھیں راس آتی نہیں لطفِ صوت و نوا کی رفاقت]
کئی بار ہر روز کھِلتا تھا چہرہ ترا — دل مرا
کئی بار ہر صبح لیتی تھی کروٹ — کئی بار ہر شام الٹتی تھی گھونگھٹ
مری جیب کے کتنے سکّے، مری عمر کے کتنے لمحے نچھاور ہوئے تیری اک اک خوشی پر
تہی مائگی کی جبیں پر کبھی اک شکن بھی نہ آئی: کسی صبح یا شام نے یہ نہ سوچا کہ لمحات نے کتنی پونجی گنوائی؟
زباں میں نے سکوں کی سمجھی نہ سیکھی: یہ اک داغ ہے سب سے گہرا مری فردِ غم میں
[یہ وہ فردِ غم ہے جسے بے بصر کاتبوں نے مرتب کیا ہے]
مگر مجھ کو کوئی خوشی ہے تو اتنی کہ مجھ پر نہیں قرض کوئی تری بخشش آموز تنہائیوں کا
نظر ہو، ادا ہو کہ عشوہ — میں اپنی بساط اور تیری طلب سے سوا مول ان کا چکاتا رہا ہوں
[نہ دیکھ اتنی حسرت سے مجھ کو کہ بارِ وفا سے سبکسار میں ہو چکا ہوں]

تجھے مجھ سے کوئی شکایت جو ہو بھی تو اس پر مجھے شرمساری نہ ہوگی
کہ تیری خوشی کے لئے میں ہنسا ہی نہیں، آنسوؤں سے بھی کھیلا کیا ہوں
ہنسی بن گئی تیرے ماتھے کی زینت مگر آنسوؤں کو اماں کون دیتا
یہ لوٹ آئے مجھ کو ڈبونے کہ ایسا زیاں کار کیا کوئی ہوگا!

زمانہ ہمیشہ بدلتا رہا ہے، زمانہ ہمیشہ بدلتا رہے گا
مگر مجھ سے کوئی شکایت ہو تجھ کو، یہ اچھا نہیں ہے
کہ مجھ پر کوئی قرض تیری کسی اک ادا کا نہیں ہے
مری لوحِ احساس پر نقش ہیں کتنے زخموں کے، ان کو گنوں تو مجھے خود بھی ہوگی یہ حیرت
کہ اتنی اذیت کشی مجھ سے کس طرح ممکن ہوئی؟

یہ تجھے پہلے ہی سوچنا چاہئے تھا:
مہ و سال کی تند خوئی کہاں بخشتی ہے کسی کو!؟
کوئی پھول ایسا نہیں ہے جو کھِل کر سدا ایک انداز سے مسکراتا رہے

○

خسروِ فن: خسرو

چھپ کے صحیفوں کے پھولوں میں
فکر کی خوشبو [ڈالی ڈالی]
آپہونچی اِس دورِ بلا تک ـــ
نطق کا جادو تیرتا، بہتا
دنوں، مہینوں، برسوں، صدیوں
کی طوفان بھری لہروں پر
عصرِ رواں کے گھاٹ پر اترا ـــ
گونج اٹھی دنیائے تصوّر
[چونک اٹھے اربابِ بصیرت]
کیا کہنا! اُس جانِ سخن کا
کیا کہنا! اُس بلبلِ فن کا

سازونوا کا خسروِ دوراں
شعروادب کا خسروِ اول
فن کا خسرو، من کا خسرو
من کا خسرو، من کا بندہ
اس کی غواصی تھی نرالی
من میں ڈوبا تن کو ڈبویا
کعبہ کا متوالا ـــ خسرو
کاشی کا رکھوالا ـــ خسرو
سینے میں زمزم کا نشیمن
ماتھے پر گنگا کا بسیرا
دل کی گہرائی کا شاعر
انساں کی عظمت کا مغنی
پریت کی پھلواری کا پپیہا
ڈھونڈتے ڈھونڈتے دیس پیا کا
پٹیالی سے دلی پہنچا
دلی کا دلدار بنا ـــ پھر

دلی کو دلدار بنایا

جانِ سخن نے بلبلِ فن نے
اپنے تن کو، اپنے من کو
شعروں، غزلوں، راگنیوں میں
پارہ پارہ کرکے سمویا
[خاکِ نوا میں خود کو کھویا]
اہلِ نظر دامن پھیلائے
گھوم رہے ہیں کوچہ کوچہ
لیکن — کون سمیٹے اس کو!
ابر کی صورت برسا ہے وہ
نگری نگری بکھرا ہے وہ

٥

بیتے لمحو!

بیتے لمحو! اب نہ یاد آؤ مجھے
وہ تڑپتی، جاگتی راتیں مری
وہ درو دیوار سے باتیں مری
وہ دعائیں، وہ مناجاتیں مری
آہ! وہ پُر سوز و حسرتناک شب
میں الٰہ آباد سے آیا تھا جب،
غم بدل، شوریدہ سر، نالہ بلب
آہ! وہ ہر ساعتِ اندوہ خیز
منزلوں سے خستہ پائی کا ستیز
وہ مری کشتی، وہ سیلِ تند و تیز
بیتے لمحو! اب نہ یاد آؤ مجھے

بیتے لمحو! اب نہ یاد آؤ مجھے
وہ امیدوں کا خزاں دیدہ چمن
ہر طرف بربادیاں سایہ فگن
زندگی پر بار ماحولِ وطن
وہ زمانہ جیسے اک تاریک رات
شاخِ جاں پر یاس و حرماں کی برات
اک طرف میں اک طرف یہ حادثات
وہ لرزتے، کانپتے لیل و نہار
لمحہ لمحہ بے سکون و بے قرار
حال کے شانوں پہ مستقبل کا بار
بیتے لمحو! اب نہ یاد آؤ مجھے

○

اک راز اک افسانہ

رخِ گلگوں پہ اُداسی کی یہ بڑھتی ہوئی چھاؤں
کسی دلدار تغیر کی امانت تو نہیں؟
موجتی آنکھوں سے نم آشنا پیشانی تک
شعلہ افشاں کوئی رنگین حکایت تو نہیں؟

یہ پشیمان ادائی یہ پریشاں نظری
خلشِ روح کا آئینہ بنی جاتی ہے
اِک کہانی جسے الفاظ کا دامن نہ ملا
کبھی ہونٹوں کبھی رخسار سے ٹکراتی ہے

اُڑی اُڑی سی یہ بے رنگ، یہ تنہا راتیں
موجۂ درد پہ جو کشتیِ دل کھیتی ہیں
جاگتے لمحوں پہ ڈالے ہوئے ظلمت کی نقاب
آنسوؤں سے بھرے آنچل کو چھپا لیتی ہیں

دل میں ہر آن یہ اک تازہ تلاطم کا خروش
آرزوؤں کی کشاکش سے اُلجھنے کے لئے
یہ جواں لمحوں کا افسانہ درِ افسانہ سکوت
کچھ نہیں پھر بھی بہت کچھ ہے سمجھنے کے لئے

نقش آسا غمِ دل رخ پہ اُبھر آیا ہے
کون اِس راز کو دنیا سے چھپا پایا ہے!

○

شیش محل

رات کیا کہتی ہے، مہتاب ہے کیوں دشمنِ جاں
آنکھ اٹھاتا ہوں تو دل اور دھڑک اٹھتا ہے
کیا خبر، روح ہے کس درجہ تپاں زخموں سے!
سانس لیتا ہوں تو شعلہ سا بھڑک اٹھتا ہے

یہ فسانہ جسے اوراقِ وفا کی ہے تلاش
ذہن کے حق میں بنا جاتا ہے تلوار کی دھار
سوچتا ہوں، یہ انداز ہوا کس صورت؟
تلخ یادوں کی کشاکش میں سلگتا پندار

جیسے شیشے سے گزر جاتی ہے کرنوں کی ضیا
کون اِس انداز سے خوابوں میں چلا آیا ہے؟
اِس طرح جیسے کسی پھول میں بھونرا کوئی
کون احساس کی بانہوں میں چھپا بیٹھا ہے؟

اک ہیولا ہے دریچے کے افق پہ لرزاں
روح کو چھیڑتے لمحات کا پیغام لئے
تجربے ہنستے ہیں [بدخواہ زنجیوں کی طرح]
زہر کا جام لئے، درد کا انعام لئے

ٹوٹتی بنتی ہے صد رنگ خیالوں کی دھنک
کس سے پوچھے دلِ خوش فہم کہ کل کیا ہوگا؟
کون اندیشۂ فردا کا بتائے مفہوم
آرزوؤ! یہ مرا شیش محل کیا ہوگا؟
ٹوٹتا ہے کوئی تارا تو لرزتا ہے جگر
کس کو معلوم ہے اِن جاگتی راتوں کا مآل
کتنے ارمانوں کی سنولائی ہوئی دھول لئے
بیتے لمحوں کے خرابے سے اُبھرتے ہیں سوال

یہ نیا پیار بھی اک زخم نہ دے کر جائے؟
جامِ حرماں میں نہ کچھ اور لہو بھر جائے!

٥

ایک تفسیر: ایک تصویر

یہ تاج محل: اک نقشِ جواں
کہتا ہے زمانہ پیار جسے اُس ذوقِ حیات آرائی کا
مرمر کی لوحِ فروزاں پر بکھری سی اک انگڑائی کا

یہ تاج محل: اک رازِ نہاں
جس کی تفسیر چٹانوں کو اک روپ انوکھا بخش گئی
جس کی تصویر نگاہوں کو مفہوم کی دنیا بخش گئی

یہ تاج محل: پتھر کی زباں
ہر نقش دھڑکتے سینوں کا عنوان بھی ہے افسانہ بھی
سمٹا ہوا ایک سمندر بھی چھلکا ہوا اک پیمانہ بھی

یہ تاج محل: اک حسنِ بیاں
خوابوں کے بھٹکتے طوفاں نے تعبیر کا محور ڈھونڈ لیا
جذبوں کا تموج ٹھیر گیا، احساس نے پیکر ڈھونڈ لیا

یہ تاج محل : اک شوخ اذاں
پروان چڑھایا دل نے جسے آذر کدۂ سلطانی میں
ناقوسِ وفا بننا تھا جسے جلووں کی حرم سامانی میں

یہ تاج محل : اک طرفہ سماں
ہونٹوں پہ مچلتا نالہ بھی زلفوں کی دہکتی خوشبو بھی
مدہوش آنکھوں کا جادو بھی خاموش آنکھوں کا آنسو بھی

یہ تاج محل : اک تازہ جہاں
تخلیق میں جس کی دولت کا فیضانِ جنوں کام آیا ہے
خوش کوشیِ غم کام آئی ہے عرفانِ جنوں کام آیا ہے

٥

فسانے اور آنسو

فسانے پڑھو اور آنسو بہاؤ
یہ کیسا جنوں ہے؟
ہنسی کیوں نہ آئے اِس آشفتگی پر!
رسالوں کے مغرور صفحات کی نیم وا کھڑکیوں سے
طرب کوش محلوں کی رومان خو لڑکیوں کی طرح
جھانکتے۔ جھوٹے سچے فسانے
فقط اِس لئے ہیں کہ دو چار گھڑیاں
گزر جائیں خوش خوش
[انھیں ڈسنے پائے نہ ماحول کی زہرناکی]
فسانے فقط اِس لئے ہیں کہ خنجر کی مانند
سر پر لٹکتی ہوئی ساعتوں سے نگاہیں بچا کر
ذرا دیر کو جھوم لو، مسکرا لو
[کوئی اور محفل سجا لو]
مگر — تم تو پڑھ کر فسانے سجاتے ہو پلکوں پہ آنسو
یہ کیسا جنوں ہے؟

تبسّم سا میرے لبوں پہ مچلنے لگا تھا
[نہ ہو یہ بھی اک عشوۂ شاعرانہ!]
مگر ___ لمحہ لمحہ
گھڑی کی کھسکتی ہوئی سوئیوں کی طرح
ذہن اک آنکھ ملتی ہوئی سوچ کی راہ پر آگے بڑھنے لگا ہے
یہ کیا ہے؟ یہ کیوں ہے؟
جنوں ہے تو کیسا جنوں ہے؟

نہ مجھ سے چھپاؤ، کہیں بات یہ تو نہیں، میرے شاعر؟
انھیں جھوٹے سچے فسانوں کے بازار میں
بیتے لمحوں کی اندھی گلی سے نکل کر
کوئی شوخ تصویر یہ بول اٹھی ہو:
کہ اک بھولی بسری کہانی کا کردار تم بھی تو ہو!
خود سے آنکھیں چرا کے کہاں جاؤ گے؟
○

ہونٹ کھلتے نہیں

ان کو مجھ سے گلہ مجھ کو ان سے گلہ وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں
خامشی بن گئی حاصلِ مدعا وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں

کشمکش میں ہیں مغرور رعنائیاں بے اماں پھرتی ہیں کتنی پرچھائیاں
بیتے لمحوں کا آئینہ دھندلا گیا، وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں

کوئی افسانہ کہتی نہیں زندگی، دھڑکنیں دل کی ہیں اجنبی اجنبی
بربطِ آرزو ہو گیا بے صدا وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں

سرد ہے آتشیں ولولوں کی جبیں، دل دھڑکتے ہیں اور آنکھ اٹھتی نہیں
کون بتلائے کس سے ہوئی ہے خطا، وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں

ہوش کس کو کہ دہرائے رودادِ غم، روٹھی روٹھی سی ہے لذتِ کیف و کم
کھویا کھویا سا ہے اعتمادِ وفا، وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں

تلخیِ شوق کے داغ دھلتے نہیں جی مچلتا ہے اور ہونٹ کھلتے نہیں
کتنی بے بس ہے احساس کی ہر ادا، وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں

کیسے یہ پیچ و خم آ پڑے ناگہاں، ہمسفر ہمسفر سے ہوا بدگماں
گم اندھیروں میں ہونے لگا راستہ، وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں

وجہ آزردگی تا بلب آئے گیا، ایک پندار ہے کتنا صبر آزما!
پیار کو مل گیا اک نیا مشغلہ وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں

حرمت اک درد کی خم بخم رہگزر کر رہی ہے اشارے کہ آؤ ادھر
کون منزل کا کس کو بتائے پتہ! وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں

○

روشنی روح ہے

ایک خواب اور سجا لو سرِ محرابِ نظر
خواب جس کی کوئی تعبیر نہیں
شمع، جس میں کوئی تنویر نہیں
شمعِ کشتہ کے سہارے بھی گزر جاتی ہے رات
کبھی اک خواب ہی صورت گرِ جاں ہوتا ہے
جانے کس خواب کے ماتھے سے کرن پھوٹ پڑے
[اک افق تاب کرن !]
شمعِ کشتہ سے ہم آغوش ہو کب کوئی شرر
روشنی جی اٹھے، لَو جاگ اٹھے

روشنی جس کے تسلسل سے نکھرتی ہے جبینِ فردا
روشنی : وقت کی اک شوخ ادا
روشنی روح ہے، کب روح کو موت آتی ہے
بجھ کے یہ خواب کے پیکر میں سمٹ جاتی ہے
اپنے خوابوں کے مسیحا بن جاؤ
جانے کس خواب کے پیکر میں تڑپ جاگ اٹھے

ہ

پیار کی بولی

ذوقِ تکلم پر اُردو نے راہ انوکھی کھولی ہے
رنگ کی گہرائی ناپی ہے پھول کی خوشبو تولی ہے
یہ نازک جذبات کے البیلے اظہار کی بولی ہے
اُردو پیار کی بولی ہے

٥

آنسوؤں کا بوجھ

کروں التجا کیا کہ لمحات کا قافلہ کب رکا ہے!
تمھیں سے کہوں گا کہ ٹھہرو
زیادہ نہیں، صرف لمحہ دو لمحہ
[یہ دو ایک لمحہ بھی ہو جائے گا جاوداں میرے سینے کی پہنائیوں میں]
نہ جاؤ کہ اک بار اور اس طرح دیکھ لوں جیسے پہلے کبھی تم کو دیکھا نہیں،
چند قطرے جو سینے سے پلکوں پہ آنے کو بیتاب ہیں اڑتی چنگاریوں کی طرح
ان کی تقدیر کا فیصلہ کر کے جاؤ،
انھیں اپنے آنچل کی زینت بنا لو کہ زادِ سفر اور کوئی نہیں اس سے بہتر
دکھی ہو مری ہی طرح تم بھی، یہ جانتا ہوں
[جہاں میں کوئی خوش بھی ہے یا نہیں؟ کون جانے]
وہ چہرہ جو اِس کُندیٔ خال و خط کے اُدھر
جاگتے آنسوؤں کی خراشیں لئے منتظر ہے کسی چارہ گر کا
اُسے خوب پہچانتا ہوں
مرے پیار کو اپنے دکھ سونپ دو، اور اس کے سوا کیا کہوں کیا کروں!
اِس زمانے میں یہ بھی بڑی چیز ہے
کس میں جرأت کہ وہ دوسرے سے کہے
لاؤ بوجھ آنسوؤں کا مجھے سونپ دو

٥

مجھ کو مجھ سے خریدو

نہ دو جنبشِ لب کی دعوت
میں جاتا ہوں، پھر آؤں گا یا نہیں؟
یہ نہ پوچھو کہ الفاظ پر مجھ کو اتنا بھروسا نہیں
کھیل اچھا نہیں نطق و لب کا،
کہوں گا بس اتنا کہ خود کو سنبھالو
بڑے جاں ستاں ہیں اداسی کے تیور،
اِس عالم میں محبوب کو دیکھنا امتحاں سے سوا ہے
[غضب ہے، جلے کرشن کے سامنے بندرابن]،
کہاں دیکھ پایا کوئی میرے آنسو
[مرا راز داں ہو کہ دل جو]
یہ موتی عجب ہیں کہ نکلیں صدف سے تو مول ان کا گھٹتا ہے [بڑھتا نہیں]
جوہری کون ان کا بنے؟

سوہنی کا فسانہ نہ تازہ کرو
بات مانو، نہ آنکھوں سے آنچل کا سودا کرو
دل ہے کچّا گھڑا، آنسوؤں کو بناؤ نہ موجِ بلا

ڈوب کر کیوں مرے غم کو رسوا کرو؟
[فاصلوں کے سمندر کو کیا منھ دکھاؤں گا میں؟]
لیکن اک تم کہ عورت ہو: خوشیوں میں بھی رونے والی
کسی غم کو پی جاؤگی، کس طرح مان لوں
بوجھ ہو جائے سینے کا ہلکا جو آنسو بہالو:
یہ اک آرزو دشمنِ عافیت ہے،
کہوں کیا کروں کیا، تمھیں کو تمھیں سونپتا ہوں

نہ پوچھو کہ میں لوٹ کر آؤں گا یا نہیں؟
سچ کہوں، اس کا یارا نہیں
[دل تمھارا دکھے، یہ کبھی میں نے چاہا نہیں]،
کوئی سکہ نہیں: میں ہوں سونا جلایا، تپایا ہوا
ہے مگر بات یہ، ہر کسوٹی پہ پورا اترتا نہیں
کیوں یہ کوشش ہے، بازار میں لے چلو
مجھ کو مجھ سے خریدو تو بے دام بکتا ہوں میں
ورنہ لعل و گہر سے بھی مہنگا ہوں میں

○

انسان اور پتھر

انساں سے بہتر ہے پتھر
پتھر کو پوجا جاتا ہے
انساں کا حصّہ ہے ٹھوکر

٥

پانی اور آنسو

پانی اور آنسو میں کوئی فرق نہیں ہے
سب جیتے ہیں پانی پی کر
ہم آنسو پی کر جیتے ہیں
ویسے بھی پانی کا قحط ہے
اور آنسو کا قحط نہیں !

٥

ایک منظر

رہگزر رہگزر جلتی ٹھنڈی چتا
کہر، آسیب کی طرح سایہ فگن
برف اگلتی زمیں، سنگ بار آسماں
کوئی جائے کہاں !

٥

ایک دعا

وادیِ شب کو پچھلے پہر کا سماں دینے والے خدا!
آدمی کے لہو کو زباں دینے والے خدا!
مالکِ جزو و کل
اے نگہدارِ عیش و عنا
میں نے تجھ سے کبھی عشرتِ جاہ و زر کی تمنا نہ کی
التجا بس یہ ہے:
مجھ زیاں کار کو
اتنی توفیق دے
پیار جس سے کیا تھا کبھی ٹوٹ کر
اُس سے نفرت بھی جی بھر کے میں کر سکوں

○

سانسوں کی ڈور

ارتھی کس کی اٹھی ہے؟ رخصت
محفل سے کون ہوا؟
میں، تم، وہ ـــــ یا کوئی اور؟
میری، تمھاری، اُس کی ـــــ سب کی
سانسیں ایک ہی ڈور سے وابستہ ہیں
ڈور کہیں سے ٹوٹے لیکن جھٹکا سب کو لگتا ہے، محفل سے
رخصت کون ہوا؟
میں، تم، وہ یا کوئی اور؟
جینے والو! ٹوٹی ڈور کو جوڑ بھی ڈالو،
ڈور بھری ہے یہ گرہوں سے
جھٹکے لگتے ہی رہتے ہیں
جینے والو! کس کی سانس کا رشتہ ٹوٹا؟
ڈور نہ ہاتھ سے جانے پائے!

○

دلوں کا رشتہ

تلخیِ احساسِ کیف و کم لئے جاتا ہوں میں
دل پہ اور اک زخمِ بے مرہم لئے جاتا ہوں میں

لٹ چکی پونجی، سہے دامن آرزوؤں کا تہی
دل کی غم خواری کو چشمِ نم لئے جاتا ہوں میں

طعنہ زن ہیں مجھ پہ میری منزلوں کی وسعتیں
اجنبی راہوں کے پیچ و خم لئے جاتا ہوں میں

تیرے دامن کو بنا کر اپنے اشکوں کا امیں
سوزِ غم کا اک نیا محرم لئے جاتا ہوں میں

روئے گی اس سادہ لوحی کو مسیحائی تری
شہد کا جویا تھا لیکن سم لئے جاتا ہوں میں

یاد آنے کی تمنا، یاد کرنے کا جنوں
اک نیا کیف، اک نیا عالم لئے جاتا ہوں میں

خلوتِ جاں میں سمو کر ایک دردِ لازوال
عشرتِ حرماں، نشاطِ غم لئے جاتا ہوں میں

ہو ہی جائے گی ادا شرح و بیاں کی رسم بھی
اک وہ افسانہ کہ ہے مبہم لئے جاتا ہوں میں

حسن کے خاموش وعدہ ہائے گم گو رہتا ہے گواہ
دو دلوں کا رشتۂ محکم لئے جاتا ہوں میں

○

گپھاؤں کی ندا

شام کے سرمئی آنچل کی ہلالی جھلمل
ابھری اور بجھ گئی مفلس کے دئے کی صورت
لیکن، اک ڈور نگاہوں سے دلوں تک ہے بندھی
دور تک سیدھ میں اُڑتے ہوئے جگنو جیسے

ہمہ شب راہگزر جاگی ہے
کون تھا، کس سے سبب پوچھتی
اِس جشنِ سبک گامی کا،
خاکِ آشفتہ صدا کیا دیتی
صرف دامن سے لپٹ سکتی ہے
ساتھ جا سکتی ہے منزل منزل
اور، دامن کو جھٹک دو تو رفاقت پہ بھی اصرار نہیں کر سکتی

کوئی رکتا ہے نہ آتا ہے پلٹ کر کوئی
راز کس طرح کھلے
کن گپھاؤں سے ندا آئی ہے ——

جاتے ہیں کدھر جادہ طرازانِ سکوت؟
اِس جنوں خیزیِ رفتار سے جی ڈرتا ہے
آہٹوں سے بھی نکلتا نہیں کوئی مفہوم

کل یہ رودادِ سفر کیسے لکھی جائے گی؟
[ایک چپ وقت کے قدموں سے لگی جائے گی]

پھانسی کا مجرم

جاگا کیا ہوں رات بھر
بے خواب آنکھوں میں بسی تھیں کتنی ہی پرچھائیاں
جن کو نہ مل پایا بدن،
پلکوں پہ جمتے جاتے تھے آنسو چٹانوں کی طرح
[جن کو تراشو لاکھ کوئی محل بننے کا نہیں]
اک آگ کا ٹھنڈا دھواں: کیا جانے کتنی تلخیوں کا رازداں
تنہائیوں کے دوش پہ بادل سا لہراتا رہا

یہ کھیل بھی کیا کھیل تھا
جیسے کوئی لیتا ہو میرے بازوؤں میں منہ چھپا کر سسکیاں
کہتا ہو: پہچانو ذرا، میں کون ہوں؟ کیا ربط ہے تم سے مرا؟
میں یہ پہیلی بوجھنے کو تا سحر جاگا کیا،
تھی رات بھاری کس قدر؟ یہ کیا کہوں
[جیسے کسی مقتول کی بالیں پہ مفلس اقربا چپ ہو گئے ہوں روتے روتے دیر تک]
رہ رہ سمٹتی شب گزیدہ رہگزر،

اک سنسناتے تیر سی
خوابوں کے پھندے کاٹتی
آوازہ پہریدار کی،
تاریکیوں کی وادیِ خاموش میں
اِس طرح لاٹھی کے ٹھوکے گونجتے
جیسے لگاتا ہو کوئی پھانسی کا مجرم قہقہے
کیا میں بھی مجرم ہوں کوئی؟
کیا جانے کیا ہو ساعتوں کا فیصلہ؟!
یہ کون جانے، دفعتاً کب ٹھنڈے بستر سے اٹھوں
دہلیز پر آجاؤں
اور اس رہگذر پر چل پڑوں
ورنہ یہ لمبی رات، لمبی اور بھی ہو جائے گی
لیتا رہے گا کوئی میرے بازوؤں میں منہ چھپا کر سسکیاں؟
میں اس کو پہچانوں گا کیا؟
وہ میرا دکھ جانے گا کیا؟

○

پھول اور آگ

کیوں یہ کہنے کو ہو
دل سے دل کا تعلق نہ باقی رہا
پیار اک پھول ہے
یہ کھلے گا تو چاہے زمیں کتنی زرخیز ہو
اک نہ اک روز مرجھائے گا،
نفرت اک آگ ہے
اس کو ملتا رہے پیار خاشاک کا تو یہ بجھتی نہیں
تا ابد ـــــــ تا ابد!

○

آخری مہرہ

کون سی بات کہوں
کون سی بات کروں
کون سی بات رہی ہے باقی
رنجشیں ہوتی گئیں زخموں کی صورت گہری
اونچی اتنی ہوئیں شکووں کی لَویں
ایک اک کرکے پتنگوں کی طرح جل بجھے سارے الفاظ
اور، اِن الفاظ کی خاکستر پہ
نطق اک ہارے جواری کی طرح بیٹھا ہے
کون اِس ہارے جواری سے کہے
پھر کوئی داؤ لگا

چپ کی پونجی بھی جو ہاری تو کہاں جاؤں گا؟

○

پسِ پردہ

زباں ہلی کہ گرا سر پہ جھولتا خنجر
معاف ہو نہ سکے گی خطائے شوخ لبی
سلامتی ہے اسی میں کہ بے ادب نہ بنو
بڑے جتن سے یہ محفل سجائی جاتی ہے
اک ایک بھید کی قیمت چکائی جاتی ہے
ردائیں سرکیں گی، پگھلے گا چلمنوں کا جلال
نجانے سامنے آئیں گی کتنی تصویریں
سلگتی حیرتیں چٹخیں گی آئنوں کی طرح
جو دیکھنا، اُسے پلکوں میں دفن کر دینا
بڑھے حدودِ نظر سے نہ کاروانِ خیال
ہے جرم باخبری اک عذاب سے بھی سوا
یہ جان بھی نہ سکو گے، کدھر سے تیر آیا؟

بساطِ شاخ پہ ان کو قرار کیا آئے!
بہار اور ہے ان کی، نمو ہے اور ان کا
یہ جسم کھلتے ہیں زرکار بازوؤں کے لئے
چٹک کی گونج ہے رسوائے صوتِ زنگ مگر
زباں ہلی کہ گرا سر پہ جھولتا خنجر

o

چاند کا داغ

چاند کا روپ ہے دھرتی کے لئے اک سوغات
اس کی جگمگ ہے کہ میرا کے بھجن کا جادو
سینۂ فکر میں جل اٹھتی ہیں قندیلیں سی
روشنی ملتی ہے ذہنوں کو نگاہوں سے سوا'
ماہیا چھیڑ کے انفاس کے اکتارے پر
پیاس کی آگ لٹاتا ہے کوئی تند نوا
لَے پہ بنسی کی جگاتا ہے کوئی درد کی جوت'
چاندنی چھوتی ہے اس پیار سے ویرانوں کو
جیسے بیمار کے ماتھے پہ کسی نرس کا ہاتھ
ہمہ شب اڑتا ہے پروانے کی مانند چکور
[فرق اتنا ہے کہ جلتا ہے فقط من اس کا]
چودھویں آتی ہے جیسے کوئی اظہر مالن
پھول رستے میں چنبیلی کے بچھاتی جائے،
بامِ نوریں سے شبستانِ زمیں کی جانب
اِس طرح ایک سبک سیر کرن آتی ہے
کنکری گرتے ہی جیسے کوئی مہتاب جبیں

اونگھتے زینوں سے اک تیر کی صورت اترے،
آبجوؤں میں اُبل اٹھتی ہے پگھلی چاندی
چھوٹنے لگتی ہیں مہتابیاں کہساروں پر،
پیپلوں کے تلے بس جاتا ہے جادو کا نگر
ڈولتے پتوں میں رہ رہ کے تھرکتی جھلمل
خاک پر نقرئی سکوں سی بکھر جاتی ہے

چاند [دنیا کے لئے] ہدیۂ فطرت ہے مگر
ہدفِ نقد بناتی ہے اسے بھی دنیا
داغ دل کا ہو کہ دامن کا، برا ہوتا ہے
داغِ دل کیا ہو عیاں، اس کا عیاں ہونا کیا!
داغ دامن کا چھپاؤ بھی تو کب چھپتا ہے
اور اک روز پہنچ جاتا ہے یہ تا بہ جبیں
ترا چہرہ بھی لٹاتا ہے وہی نور مگر
آنکھ اٹھاتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ یہ لگتا ہے
تاج پر کھینچ دے جیسے کوئی کاجل کی لکیر
کاش! اِس طرح نہ لٹتی تری مہتاب وشی
داغ ماتھے پہ نہ ہوتا کوئی جھومر ہوتا

دو لمحے

ایک لمحہ ازل
ایک لمحہ ابد
صرف دو لمحوں کا یہ سفر اور اتنے کٹھن مرحلے
جیسے حاتم سوالوں کی انجان لمبی ڈگر پر بھٹکتا چلے
سوئیوں پر گھڑی کی، یہ کس طرح کا وقت ہے!
ہندسوں کی بساط اتنی پھیلی کہ دورِ زماں کا تسلسل بنی
صرف دو لمحوں کی کائنات اور صدیوں کی پہنائیاں!
[اپنے خالق سے شکوہ کناں]
روز میں اک ازل کا گریباں سیوں —— روز میں اک ابد کی اڑایا کروں دھجیاں

قربتیں بھی سزا : فاصلے بھی سزا
خود نگر رنجشیں، بے زباں قربتوں کی جزا
بدگماں ساعتوں کا لرزتا دھواں
رات میں جیسے جنگل کی بے چہرہ پگڈنڈیاں
تم کو یہ ناخوشی : جرأتِ تلخ کامی ہے کیوں نکتہ چیں؟

مجھ کو یہ ناخوشی : زہر کا نام کیسے پڑا انگبیں!
ہونٹ — چہرے — نگاہیں : سبھی ہیں وہی
لیکن اِس طرح چھن جائے جیسے کسی ساز سے راگنی
ہونٹ ساکت ہیں لفظوں کا جادو لئے
چہروں پر مسکراہٹ کہاں! اجنبی سی اداسی ہے پرتو فگن
اور آنکھوں کی گہرائیاں
بیکرانِ قلزموں کی طرح
ڈوبنے کی ہوس بے اماں
اور، ساحل سے منجدھار تک صرف دو لمحوں کی منزلِ رائگاں
صرف دو لمحوں کی داستاں
ایک لمحہ ازل — ایک لمحہ ابد
○

ستارے کی انی

اتر آئی ہے شام بامِ افق سے مری خلوتِ آرزو میں
شبستانِ مغرب کے روزن سے یہ جھانکتا ایک روشن ستارہ
رگِ جاں میں پیوست ہوتا چلا جا رہا ہے
[کسی نقرئی تیر کی جگمگاتی انی سا]

بھٹکتا ہوا ذہن اک ہنستے آنگن کا خاموش منظر لئے
سوچتا ہے بس اتنا ــــ بس اتنا کہ کیا
اِس گھڑی میری یاد آئی ہوگی اُسے ؟

○

روشنی کا کنواں

آئنہ بند دیواروں کے اس احاطے سے باہر نکالو کہ میں
شوخ و گستاخ پرچھائیوں سے کہاں تک کروں گفتگو!
جسم پر روشنیوں کی بوچھار ہے
ایک سفاک جھلمل سے آنکھوں کی بے وجہ پیکار ہے
ایک پل کو بدلتا نہیں یہ ہٹیلا سماں
آئنہ بند دیواروں کا یہ احاطہ ہے یا روشنی کا کنواں
[اپنی ہی وسعتوں میں سمٹتا ہوا آسماں]
کس سے الجھوں کہ کوئی نہیں : اور کوئی نہیں
میں ہی میں چارسو
یہ ہے پرچھائیوں کا جہاں
میں ہوں اس کا خدا
[وہ خدا جو ہے زندانیِ بیکسی]
لیکن ـــــ ایسا نہ ہو کہ کسی لمحہ میری ہی پرچھائیاں
پوچھ بیٹھیں کہ تم کون ہو؟

آئنہ خانے میں آگئے، کس طرح ؟
کیسے اتنی جسارت ہوئی ؟
تم چٹانوں کی مخلوق ــــــ سنگین باہوں کے پالے ہوئے
کون جانے کہ ہمراہ لائے ہو پتھر کوئی
آستینیں تو دکھلاؤ گے
کون سینے کا لے جائزہ ؟

○

آنسوؤں کا پودا

ذہن کی جگہ دل سے سوچنے کی بیماری
دھار خوشبوؤں کی ہے
ہاتھ اسے لگائے کون؟
چاندنی ہے خنجر کی
روح میں بسائے کون؟
پیاس کا سمندر ہے
اس کی تھاہ لائے کون!
ذہن کی جگہ دل سے سوچنے کی بیماری
رقص ہے بگولوں کا
محل ہے ببولوں کا
خلد ہے عذابوں کی
آگ ہے کتابوں کی،
تیشۂ جلالت ہے
بازوئے فراست کا
انتظار کرتی ہے،
جوئے شیر ابلتی ہے
جوئے خوں مچلتی ہے
ذہن کی جگہ دل سے سوچنے کی بیماری
سوت ہے معانی کی

پھوٹتی ہے سینے سے،
موج موج اترتی ہے
آگہی کے زینے سے
خلوتِ بصیرت میں،
قہر کامرانی ہے
زہر نکتہ دانی ہے
ذہن کی جگہ دل سے سوچنے کی بیماری
کسمساتی مٹی میں
سانس لیتے بیجوں کی
سعیِ سرفرازی ہے،
لہلہا کے ڈستی ہے
مسکرا کے ڈستی ہے
ذہن کی جگہ دل سے سوچنے کی بیماری
جسم کے خرابے میں آنسوؤں کا پودا ہے
فکر کے دوآبے میں بانسری کا لہرا ہے
ذہن کی جگہ دل سے سوچنے کی بیماری
کربلائے حکمت ہے نوحۂ بلاغت ہے
جسم کے کلیسا میں فکر کی تلاوت ہے

○

لہو فیصلہ چاہتا ہے

یہ رات بھی گزر گئی
جراحتوں کا بوجھ دوش پر لئے،
نہ میری رازداں بنی
نہ میری ہمزباں بنی
نہ میری پاسباں بنی
بنی تو اک تیرِ بے اماں بنی
مگر جراحتوں کا بوجھ دوش پر لئے ہوئے گزر گئی

سرھانے کوئی تھا کھڑا
نظر چرائے، تیغ ہاتھ میں لئے
میں اُس سے پوچھتا بھی کیا؟
میں اُس سے بولتا بھی کیا؟
یہ کیا خبر — وہ کون تھا؟
عدوئے جاں
کہ کوئی میرا مہرباں

کہ کوئی میرا میہماں
نظر چرائے ہی رہا
مگر نہ تیغ اٹھا سکا
یہ راز بعد میں کھلا
نہ تھا وہ کوئی دوسرا
وہ 'میں' تھا جس سے میری دشمنی نجانے کب کی ہے
کہ اور کون ہوگا میری خامکاریوں کا اتنا قدرداں
کہ اور کون ہوگا میری ناسپاسیوں پہ اتنا مہرباں
کہ اور کون ایسی زہرناک رات میں بنے گا میہماں
ازل سے ہوں میں گھات میں
کہ رکھ سکوں خود اپنے حلق پر چھری
بچائے کون مجھ کو میرے وار سے
کہ چاہتا ہے فیصلہ مرا لہو

○

ادھورا پن

ہو لکیروں میں کتنی ہی تابندگی
رنگ کتنا ہی پُرکار ہو!
اس جہانِ کم و بیش کا کوئی پیکر مکمل نہیں،
کون تکمیل کس کی ہے؟
کس کو پتہ،
مجھ کو بھی صرف اتنا ہی معلوم ہے
تم ہو میرے لئے ـــــ میں تمھارے لئے

٥

دوآبے کی ندی

کون جانے کہ وہ ایک پل
ہوگا کتنا قیامت بھرا ـــــ کس قدر بے اماں !
چٹکیوں میں ملے جیسے کوئی چنبیلی کی نازک کلی
جیسے بلبل کے حلقوم پر کوئی [بے رحم] پھیرے چھری
مندمل ہوتے زخموں پہ رکھ دے کوئی ناخنوں کی انی

انگلیوں میں چبھوتا چلا جائے جیسے کوئی پے بہ پے سوئیاں
جیسے احساس کو کوئی دے دے بدن
اور، مقتل میں لے جا کے کہہ دے : 'بزن'
جیسے ہونٹوں میں آہستہ آہستہ پیوست ہو تلخیوں کی سلگتی چبھن
جیسے آنکھوں کے آگے نچائے کوئی جلتی، تپتی سلاخوں کے سفاک کھیل
کون جانے کہ وہ ایک پل
ہوگا کتنا قیامت بھرا ـــــ کس قدر بے اماں !
پیار جب آنچ دے بے رخی کی طرح

چاہنے والے اک دوسرے سے ملیں اجنبی کی طرح
دل کو پینے پڑیں اپنے آنسو [دوآبے کی] گہری ندی کی طرح

○

آئینہ خانے کی چٹان

یہ کیسی یاد ہے جو اک چٹان کی صورت
دھری ہوئی ہے مہ و سال کے شوالے میں
تراش کر اسے سانچے میں ڈھال بھی نہ سکوں
[کہ جیسے کوئی مرے ہاتھ تھام لیتا ہے]
چٹان ہو کہ صنم : دونوں سنگ ہیں لیکن
جو ہو صنم تو اسے پوجیے ہزار طرح
جبیں جھکائیے، سجدوں کو سرخرو کیجیے
چڑھا کے پھول — بہاروں کی آرزو کیجیے
پوتر چرنوں میں دھونی رمائیے لیکن
چٹان سے کوئی ٹکرائے بھی تو کیا حاصل!
لہولہان ہو ماتھا، لہولہان ہو دل

یہ کھیل کھیلنا ٹھہرا تو پھر چٹان ہے کیا؟
خرید لوں کوئی خنجر کہ اور اس کے سوا

نہ غمگسار ہے کوئی نہ مہرباں کوئی
اسی سے حوصلہ مانگوں، اسی کو اپناؤں
چٹان کو کسی گہری ندی میں ڈال آؤں
یہ تہ میں بیٹھ رہے ورنہ رَو میں موجوں کی
بڑی چٹانوں سے ٹکرا کے چور ہو جائے
[کہ اِس چٹان سے آنے لگا ہے خوف مجھے]
ہے اس کی زد میں مرے دل کا آئنہ خانہ

○

بے زباں بدگمانیاں

نگاہ اٹھاؤں
وہ پاس آئے تو جاں سپارانہ مسکراؤں
لبوں پہ اس کے کھلاؤں کلیاں
چٹکتے الفاظ خوشبوؤں کی ڈگر پہ الھڑ کنواریوں سا قدم بڑھائیں
جبین و عارض کے شعلہ زاروں کو رت جگوں کا سرور بخشوں
وہ دودھ کی اک ندی جو ہے موجزن دو آبے میں گیسوؤں کے ۔
اسے انوکھی حلاوتوں کا سیندور بخشوں
کئی مہینوں سے مجھ کو یہ بھی نہیں گوارا،
مزاج پوچھوں
وہ حال اپنا کہے تو چہرے پہ اس کے آنکھیں جمائے رکھوں
کئی مہینوں سے مجھ کو یہ بھی نہیں گوارا

جھلس رہا ہے کئی مہینوں سے جس کا تمکینِ دلربائی
وہ بے زباں بدگمانیاں جو نشیبِ احساس کی تہوں میں دبی پڑی تھیں،

بھڑک اٹھی ہیں کہ صرصرِ درد تیز تر ہے
کئی مہینوں سے جس کی پیاسی کلائیوں کو ملا نہیں لمس میری
تحسینِ لطف جو کا

[کئی مہینوں سے کیا خبر، مجھ کو کیا ہوا ہے؟]
ستاؤں اُس کو
میں رنج دوں اور رلاؤں اُس کو
کئی مہینوں سے مجھ کو اس کا جنون سا ہے،
مگر کسی کو کہاں پتہ ہے!
کہ جس سے بیزار ہوں میں اِتنا
وہ کس قدر ہے عزیز مجھ کو!

○

خود فراموشی

اپنی صورت بھی مجھے یاد نہیں
آئنہ دیکھوں تو بتلاؤں کہ
مَیں کیسا ہوں؟

○

تاثر

تلخ حقائق سے الجھا ہوں
ہنس ہنس کر ہر موڑ پہ ___ لیکن
ایک کہانی پڑھ کر کتنا رویا ہوں میں

○

سوئمبر!

کوئی سنجوگتا، جے چند کی باہوں میں چھپائے چہرہ
گردِ منزل کو تکے جاتی ہے
اور، لمحات کا رہوار بڑھا جاتا ہے بجلی کی طرح

○

شوالے کا بت

بنادو مجھے ایک اونچے شوالے کی زینت
میں پتھر کا بت ہوں
پجاری بنوگے تو سکھ پاؤ گے — اور
پھر ایک دن
دیوتا خود بھی کہلاؤ گے

ہ

یہ کیا!

کتنوں کی غم خواری کا احسان اٹھایا،
شبدوں کی تھالی میں سجا کر
اپنا دکھ کتنوں کو بانٹا
لیکن یہ کیا!
میرے کاندھے پر جو دکھ کا بوجھ تھا
پہلے سے بھاری ہے

ہ

رات کی شاہزادی

شام ہی سے سوئمبر کی محفل ہے آراستہ
جانے کتنے سجیلے جواں
خیرہ سر آرزوؤں کو مہمیز کرتے چلے آئے ہیں،
ان کو معلوم کیا
سب کے بعد — ایک بانکا جو بجلی کے رتھ پر سوار آئے گا
شاہزادی سے انعامِ جاں دادگی پائے گا
اُس کی گردن میں لپکے گی جے مال کی کہکشاں
اور — یہ رتھ میں بجلی کے، پہنچے گی جانے کہاں سے کہاں!
گرد اُڑتی چلی جائے گی دور تک
اور — اک پل میں سنسان ہو جائے گی رہگزر
ٹوٹ جائے گا میکے سے ناتا سدا کے لئے
لوٹ کر پھر نہ آئے گی بابل کے گھر

چوم لو اور اک بار اس کی جبیں

اس سے ہو لو جدا
ہاتھ شفقت کا سر پہ دھرو
اپنی پلکوں کے موتی نچھاور کرو
گھر سے جانے دو اس کو دلہن کی طرح
سال کی آخری رات ہے
پھر نہ آئے گی یہ
ہ

سال کا پہلا خط

سال کا پہلا خط میں کس کے نام لکھوں؟
اُس کو جو محبوب ہے میرا
اُس کو جو میرا دشمن ہے
وقت کے نام یہ خط لکھتا ہوں
ملتا ہے محبوب کب ایسا!
ایسا دشمن کون ملے گا!
وقت: اک لہریں لیتا ساگر
پیار کرے تو پار لگا دے
وار کرے تو تنکے کی مانند بہا دے

سال کا یہ مکتوب ہے پہلا
سال کا یہ دن بھی پہلا ہے
سوچ کہ آگے کیا لکھنا ہے

٥

متاعِ کارواں

[قومی اور وطنی نظمیں]

درماندگی میں بھی ہے وہی لذتِ سفر
احساسِ زندگی نے وہ جادو جگائے ہیں

یومِ جمہوریہ

یہ دن ہر سال آئے گا
اُفق کی نیلگوں پہنائیوں میں مسکرائے گا
یہ دن اپنے تبسم کے فسونِ لالہ افشاں سے
جنم بھومی پہ گاندھی اور نہرو کی
نئی جنت بنائے گا
نشاطِ حریت کی، عشرتِ جمہور کی جنت
یہ دن اپنے مذاقِ شعلہ ساماں کی حرارت سے
دلوں کی دھڑکنوں میں بجلیاں بھرنے کو آتا ہے
یہ دن طوقِ گلو، زنجیرِ پا کے جبرِ فولادی کا دشمن ہے
یہ دن، آئینِ صیادی کا دشمن ہے
یہ دن، سہ رنگ پرچم کی امانت کا محافظ ہے
یہ دن، آزادیٔ انساں کی دولت — امنِ عالم کی امانت کا محافظ ہے
یہ دن، ہر خوابِ آدم کی امانت کا محافظ ہے
یہ دن، اک سنگِ میل، اک جھلملاتا موڑ ہے اپنے سفر کا

[حیاتِ نمود نگر کا]

یہ دن، تاریخ دہراتا ہے کتنے مرحلوں کے شعلہ آگیں پیچ وخم کی
وہ پیچ و خم جو سمٹے اور سمٹ کر بن گئے آغوشِ منزل
وہ منزل جس کے آگے اور بھی کچھ مرحلے، کچھ فاصلے ہیں
یہ دن، اِن مرحلوں ان فاصلوں پر چھاتا جائے گا
یہ دن، اپنی حسیں تاریخ کو دہراتا جائے گا

یہ دن آتا رہے، آتا رہے، آتا رہے یونہی!
افق کی وسعتوں میں نور بکھراتا رہے یونہی!

٥

محاذِ فن کی طرف

عظیم شاعرو، دانش ورو، قلمکارو!
قلم اٹھاؤ کہ یہ وقتِ آزمائش ہے
دیے جلاؤ کہ یہ وقتِ آزمائش ہے
ہمک کے بڑھتی ہوئی ظلمتوں کو للکارو
قلم سے جراَتِ پیکار بھی لرزتی ہے
قلم کی ضرب سے تلوار بھی لرزتی ہے

چمکتے نیزوں کی برق آفریں گھٹاؤں تلے
مجاہدانِ وطن جانبِ ہمالہ چلے
چلے کہ اپنا لہو نذرِ دوستاں کر دیں
چلے کہ رسمِ مروت کو جاوداں کر دیں
چلے کہ آن نہ دنیا سے جائے گوتم کی
چلے کہ چین کو آئینِ دوستی بتلائیں
چلے کہ روٹھے نہ تعبیر، خوابِ آدم کی
چلے کہ چین کو آئینِ زندگی بتلائیں
بتائیں یہ کہ شجاعت کچھ اور ہی شے ہے

زمیں پہ جس نے ابھاری تھی چین کی دیوار
کچھ اور چیز ہے وہ نازِ جذبۂ بیدار
ضمیر و ظرف کی عظمت کچھ اور ہی شے ہے

عظیم شاعرو، دانشورو، قلمکارو!
ہمک کے بڑھتی ہوئی ظلمتوں کو للکارو
شعور و فکر کی شمعیں جلاؤ محفل میں
کہ روشنی میں بھی ہوتی ہے دھار خنجر کی
جگا کے شوخ لَووں کی صلابتیں دل میں
کلائی موڑ دو تاریکیوں کے لشکر کی،
قلم کا نور بکھیرو، حیات کے پیارو!
یہ تیغ بھی ہے سپر بھی، عظیم فن کارو!
یہ جنگ، جنگ نہیں صرف تیر و خنجر کی
یہ جنگ، جنگ نہیں صرف زور و لشکر کی
یہ جنگ، دانش و فن کی بھی دھار چاہتی ہے
یہ جنگ، فکر و قلم کا وقار چاہتی ہے
بڑھے وہ اپنے مجاہد علم سنبھالے ہوئے
عظیم شاعرو! اُٹھو قلم سنبھالے ہوئے

کڑکتی رائفلیں رن میں آگ برسائیں
اِدھر فضاؤں میں شعلے قلم کے' لہرائیں
خیال و فکر کا میداں ہمارے ہاتھ رہے
قلم بھی جنگ میں خنجر کے ساتھ ساتھ رہے

عظیم شاعرو، دانشورو، قلمکارو!
قلم اُٹھاؤ کہ یہ وقتِ آزمائش ہے
ہمک کے بڑھتی ہوئی ظلمتوں کو للکارو!
دیے جلاؤ کہ یہ وقتِ آزمائش ہے

مجاہدانِ وطن جا رہے ہیں رن کی طرف
بصد غرور بڑھو تم محاذِ فن کی طرف

o

ہمالہ کی جانب چلو

چلو، ہمالہ کی جانب چلو کہ تیغ زنو!
اُبل رہے ہیں چٹانوں سے بجلیوں کے شرار
فضا کے دوش پہ لرزاں ہے ساعتوں کی پکار
وفا کے گرد ہے فتنہ طرازیوں کا حصار
وطن کی آن پہ مٹنا ہے تم کو ہم وطنو!

یہ کیا مجال، کوئی فتنہ خو ادھر آئے
کہا یہ کس نے کہ طاقت کی آزمائش ہے
غرورِ لشکر و حشمت کی آزمائش ہے،
یہ اپنی اپنی صداقت کی آزمائش ہے
اُٹھو کہ آنچ نہ رنگِ حیات پر آئے

اٹھو کہ روحِ بہاراں پکارتی ہے تمھیں
نسیم آئی ہے لے کر دھمک بگولوں کی
عرق عرق ہے جبیں سوگوار پھولوں کی
نہ جھکنے پائے نظر پیار کے اصولوں کی
اٹھو کہ عظمتِ انساں پکارتی ہے تمھیں

بڑھو، حیات کو زربار و گل فشاں کر دو
فسردہ کیوں ہوں زلیخائے امن کے رخسار؟
نگوں ہو کس لئے یوسف کے حسن کا پندار؟
بڑھو کہ لٹتی ہے کنعانِ زندگی کی بہار
لہو چڑھا کے محبت کو جاوداں کر دو

حیات، پیار کی آغوش میں نکھرتی ہے
ریا و مکر کا غازہ نہ چاہیئے اس کو
گرجتی توپوں کا نغمہ نہ چاہیئے اس کو
بگل کا، بینڈ کا تحفہ نہ چاہیئے اس کو
زمین، کرشن کی بنسی سے پیار کرتی ہے

اٹھو تبسمِ فردا کی آرزو بن جاؤ
پکارتے ہیں ہمکتے ہوئے سے خواب، اٹھو
پکارتے ہیں مہکتے ہوئے گلاب، اٹھو
پکارتے ہیں کھنکتے ہوئے رباب، اٹھو
بڑھو، حیات کے نغموں کی آبرو بن جاؤ

○

للکار بڑھتی جائے گی

لحظہ لحظہ جرأت کردار بڑھتی جائے گی
لمحہ لمحہ عزم کی للکار بڑھتی جائے گی
روشنیِ جذبۂ بیدار بڑھتی جائے گی
کاروانِ صبح کی رفتار بڑھتی جائے گی
ظلمتوں پر نور کی یلغار بڑھتی جائے گی

برف کی آغوش میں لہرائیں گی وہ بجلیاں
اور کچھ ہوگا ہمالہ کی بلندی کا سماں
آفریں کہہ کر تبسم ریز ہوگی کہکشاں
ہر قدم پر عزمِ نو دہرائے گا اک داستاں
ہر قدم پر شورشِ پیکار بڑھتی جائے گی

چین بن جائے گا خود اپنی رعونت کا
ہند کی رعنائیوں پر اور آئے گی بہا
دل نشیں کچھ اور ہوگا آرزوؤں کا سنگ
فکر و فن کی جنتوں پر اور چھائے گی بہا
رنگ و بو کے ساز کی جھنکار بڑھتی جائے گی

دشمنوں پہ مسکرائے گا ترنگے کا غرور
شوخ تر ہو جائے گا گنگا کے امرت کا سرور
بھاکڑہ ننگل کے سینے سے یونہی پھوٹے گا نور
گود سے ریہاند کی اُٹھتے رہیں گے کتنے طور؟
ارتقا کی برق پا للکار بڑھتی جائے گی

مسکرائے گی یونہی تا حشر نانک کی زمیں
کب کسی طاقت سے جھکتی ہے ہمالہ کی جبیں
کوئی ارجن کی کماں لچکائے، یہ جرأت نہیں
سرد پڑنے کا نہیں ٹیپو کا جوشِ آتشیں
حوصلوں کی تیغِ جوہر دار بڑھتی جائے گی

O

جمع ہوں لالہ و گل

گنگناتے چلو، مسکراتے چلو
وقت کا حوصلہ آزماتے چلو
شوخ امنگوں کا پرچم اڑاتے چلو
رہبرو، رہروو، دوستو، بھائیو!
دوستو، بھائیو!
ایک تارے سے بنتی نہیں کہکشاں
ایک قطرہ نہیں ہوتا جوئے رواں
تم بھی مل کر بنو بیکراں، جاوداں
ایک ہو اور ہواؤں کا رخ پھیر دو
دوستو، بھائیو!
مہرِ تاباں کہاں اور کہاں اک کرن!
جمع ہوں لالہ و گل تو مہکے چمن
اتحاد اے وطن، اتفاق اے وطن!
ہند کے باسیو: ہندوؤ، مسلمو!
دوستو، بھائیو!

سر سے سر ہی نہیں، دل سے دل جوڑ کر
کارواں کارواں، رہگزر رہگزر
یونہی جاری رہے ارتقا کا سفر
فن کے شیداؤ، دیدہ ورو، شاعرو!
دوستو، بھائیو!

بند کیوں ہوں دریچے دل و ذہن کے
سخت ہوتے ہیں لمحات کے فیصلے
کل مورخ نہ الزام تم پر دھرے!
خام جذبات کو فکر کی آنچ دو
دوستو، بھائیو!

سرحدوں پر بھڑکتی ہوئی آگ سی
جیسے تلوار ہو سر پہ لٹکی ہوئی
وقت کیسا ہے یہ، ہے یہ کیسی گھڑی؟
اِن تقاضوں کا احساس پیدا کرو
دوستو، بھائیو!

چاہیئے زندگی کو محبت کی لَے
مسئلے خود بخود ہوتے جائیں گے طے
قوم کی زندگی اور ہی چیز ہے!
دوستو! زندہ قوموں کی صورت جیو
ایک ہو کر بڑھو

ہ

سرمستیِ انا بھی ہے کتنی بہانہ جو
تنکا ہوا کے دوش پہ اُڑتا دکھائی دے

غزلیں

آئنہ، عکس کی چاہت میں نہ توڑا ہو گا
راز جو ہوں گے مگر کیا کوئی ایسا ہو گا!

آزادیِ نمو کی ہے اک منزلِ فراغ
ادراک کی زباں میں بیاباں کہیں جسے

نہ کچھ اور میں نے چاہا نہ کچھ اور میں نے پایا
یہ اناؔ بھی چھن گئی تو مرے پاس کیا رہے گا؟
نہ کہیں وہ ساعت آئے کہ ستی ہو یہ خود آرا
کہوں کس طرح خدا سے کہ سنبھال اپنی دنیا
کسے ہم سفر بنائیں کہ شروع ہو کہانی
کوئی موڑ چاہتا ہے یہ قلم رکا رکا سا
کئی آفتاب کھوئے تو یہ رات پا سکا ہوں
کوئی خواب اور شاید ابھی مجھ کو دیکھنا تھا
پھرے اجنبی سے دونوں اسی طرح مدتوں تک
کبھی خود بھٹک گیا میں کبھی وقت بھولا رستہ
کوئی لایا ہے اٹھا کر مجھے بزم خامشی سے
جو کہیں رقم نہیں ہے وہ فسانہ کون پڑھتا؟
میں کدھر سے بچ کے نکلوں کہ نہ چار ہوں نگاہیں
مری راہ میں کھڑا ہے کسی بانسری کا نغمہ

نہ تھی کوئی میری قیمت کہ تھا مول ہی سوا کچھ
مجھے بیچ بھی نہ پائی یہ ستم ظریف دنیا
وہ سمجھ کے بھی نہ سمجھا کہ مقامِ فکر کیا ہے
مری سادگی سے جس نے مری زندگی کو ناپا
مجھے وقت نے دیا ہے یہ مقام مشکلوں سے
کبھی سان پر چڑھایا کبھی دار پر چڑھایا
بنے ہم نشیں تمھارا یہ پڑی ہے کس کو حرمت
نہ سجاؤ کوئی محفل نہ لگاؤ کوئی میلہ

○

مذاقِ دلدہیِ ہمرہاں پکارے گا
بچھڑ گئے تو ہمیں کارواں پکارے گا
نوائے سود ہے اک نخلِ بے ثمر مجھ کو
متاعِ جاں کو شعورِ زیاں پکارے گا
فقط بدن کے لئے ہے یہ نیند کا جادو
دلوں کو پچھلے پہر کا سماں پکارے گا
جو منتظر ہے مرا رہگزارِ فردا میں
میں رک گیا تو وہ سنگِ گراں پکارے گا
بلندیوں کو بھی درکار ہے اک آئینہ
کسی زمیں کو کوئی آسماں پکارے گا
اماں نہ پاؤ گے، چاہے کسی طرف جاؤ
لہو کو معرکۂ امتحاں پکارے گا

بساطِ ساغرِ صہبا سجا کے خوش ہو لو
کرو گے کیا جو کوئی تشنہ جاں پکارے گا

تجھے ستائے گی میری اَدائے بے طلبی
مجھے ترا کرمِ رائیگاں پکارے گا

میں چوبِ نم ہوں، اِسی طرح مدتوں حسرت
مرے وجود کو دل کا دھواں پکارے گا

○

پیکر طرازِ حسرت و حرماں کہیں جسے
دل ہے وہ نقش، میر کا دیواں کہیں جسے
کن منزلوں کی دھن میں ازل سے ہے بیقرار
یہ سیلِ تند: عمرِ گریزاں کہیں جسے
اہلِ سفر کو چھیڑتی رہتی ہے تا حیات
اک رہگزارِ درد، رگِ جاں کہیں جسے
کس درجہ کم نصیب ہے کس درجہ خوش نصیب!
انساں نہ کہہ سکیں مگر انساں کہیں جسے
اپنی ہی روشنی سے چرانے لگی ہے آنکھ
یہ ایک صبح، روزنِ زنداں کہیں جسے
آزادیِ نمو کی ہے اِک منزلِ فراغ
اِدراک کی زباں میں بیاباں کہیں جسے
تاروں کے دشت میں یہ بھٹکتا سا ماہتاب
گم کردۂ ادائے چراغاں کہیں جسے
کرنوں کے ساز پر کوئی دیپک نہ چھیڑ دے
حرمت یہ صبح، مطربِ دوراں کہیں جسے

○

دلِ سرکش نے کہیں کا بھی نہ رکھا پیارے
سر ہی جھک جائے تو کس بات کا جھگڑا پیارے

زندگی نے ہمیں کیا کیا نہ سکھایا لیکن
سیکھنا ہے ابھی جینے کا سلیقہ پیارے

ایک عالم میں گزاری ہے حیاتِ برباد
حادثہ اس سے بڑا ہوگا کوئی کیا پیارے

زندگی مجھ کو سمجھے گی تو کیا لطفِ حیات؟
ابھی کچھ اور ہے جینے کا ارادہ پیارے

سوچتا ہوں کہ دعا جیت کی بھی کیا مانگوں
میں کہ خود اپنے مقابل ہوں صف آرا پیارے

ہائے! اس عہدِ بلاخیز کے انساں کا وجود
جیسے طوفان میں اڑتا ہوا تنکا پیارے

عقل سے دل نے مروت جو نبھانی چاہی
تجربے بن گئے الجھا ہوا دھاگا پیارے

جرأتِ خودنگری کا ہے سہارا ورنہ
حرمت! انساں ہے مشیت کا کھلونا پیارے

○

پردہ در رنگِ حنا ہو جیسے — کوئی پردے میں چھپا ہو جیسے

سلگ اٹھتی ہے سرِ شام اک یاد — کسی کٹیا کا دیا ہو جیسے

یہ دمِ صبح چٹکتی کلیاں — چھپ کے کچھ تم نے کہا ہو جیسے

گونج نبضوں میں لہو کی یوں ہے — کسی گنبد کی صدا ہو جیسے

ہائے! تھم تھم کے گزرتے لمحے — وقت کچھ سوچ رہا ہو جیسے

دور تک راہِ سفر ہے گلرنگ — کوئی کانٹوں پہ چلا ہو جیسے

دل کے رہ رہ کے دھڑکنے کی ادا — کوئی مصروفِ دعا ہو جیسے

ہر قدم ہے نئی منزل کا نقیب — ہر نفس بانگِ درا ہو جیسے

خود گرو خود نگر و خود آگاہ — آدمی اپنا خدا ہو جیسے

اجنبی اتنی یہ دنیا کب تھی — آج ہر چہرہ نیا ہو جیسے

جینے والے جیے جاتے ہیں مگر
حرمت اک رسم ادا ہو جیسے

○

صدیوں کی پہنائی نے پھیلایا ہے وہ جال
لمحہ لمحہ کرکے گزرے کتنے ماہ و سال!
جھپکی آنکھ اور ان دیکھی سمتوں میں ہوا روپوش
برکھا کے پانی کی صورت وقت بھی ہے سیّال
صحرا صحرا ڈھونڈ چکے تجھ کو تو یہ منزل آئی
نگری نگری پوچھتے پھرتے ہیں خود اپنا حال
راہ نوردو! فخر کریں کس بات پہ، کیا پچھتائیں
خود اپنی ہی تیز روی نے کیا ہمیں پامال
اپنا حال چھپا کر خوش ہونے کی رسم نہ پوچھ
خوش فہمی یہ ہے کہ ہمیں دنیا سمجھے خوش حال
تیر فشاں لمحات سے کہہ دو، اور ذرا اک وار
ایک مجاہد رن میں کھڑا ہے تانے درد کی ڈھال
شکوہ کسی کا کیجے حرمت، اس کا ہمیں حق کیا؟
خود ہی لٹایا دل کا خزانہ اور ہوئے کنگال

○

زندگی بدلی، دو عالم بدلے
کروٹ اک اور ترا غم بدلے
نہ ملی دل کو تغیر سے نجات
کبھی تم بدلے کبھی ہم بدلے
خندۂ گل کا بہم لائے جواز
یا چمن فطرتِ شبنم بدلے
کچھ ترے راز نے صورت بدلی
کچھ ترے راز کے محرم بدلے
زخمِ پنہاں کا نہ بدلا انداز
وقت نے کتنے ہی مرہم بدلے
خونِ ارمان بھی گوارا لیکن
رنگِ افسانۂ آدم بدلے!
بدلا کیا کیا نہ زمانہ خرمتؔ
ایک ہم ہیں کہ بہت کم بدلے

o

اک کوندا سا لپکا ہے اک سایہ سا لہرایا ہے
کوئی سورج اُبھرا ہے یا اور اندھیرا چھایا ہے!
شعلے برسیں گے یا موتی: کس کو خبر یہ کون بتائے
دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں، بادل گھر کر آیا ہے
میں آگے بڑھتا جاتا ہوں ماضی کی یادوں کو لئے
میری تپتی راہوں پر بیتے لمحوں کا سایا ہے
دو دن کے اِس جیون میں کچھ اور ضروری کام بھی ہیں
کوئی کہاں تک یہ پرکھے کون اپنا کون پرایا ہے؟
اُس اک پل میں تیری نظر کا جب دل نے سمجھا مفہوم
آدم کی تاریخ نے صدیوں کا قصہ دہرایا ہے
وہ لمحہ جو محفلِ کاکل و رخ سے نکل کر، پہنچا دور
رفتہ رفتہ دل کو منزلِ دار و رسن تک لایا ہے
دل پر حرمت ضرب پڑی ہے کن سنگین حقائق کی
خوابوں کا خوش رنگ ہیولا نظروں میں لہرایا ہے

٥

یارانِ بے نشاں کا پتہ پوچھتے چلیں
کچھ تو سراغ دے گی صبا، پوچھتے چلیں
ایسا بھی کیا کہ رسمِ مروت نہ ہو ادا
اک کج ادا کا حال ذرا پوچھتے چلیں
بڑھنے لگی تھیں رنجشِ پنہاں کی شدتیں
پھر کیا ہوا مآلِ وفا؟ پوچھتے چلیں
جائیں تو اُن کے شہر سے کیا لے کے جائیں ہم
لائیں گے شہرِ غیر سے کیا؟ پوچھتے چلیں
گھر کے چراغ پر تو ہوا مہربان تھی
دل کا چراغ کیسے بجھا! پوچھتے چلیں
کیوں کہہ دیا کہ خاک کی منزل ہے آسماں
کیا جرم تھا کہ دی یہ سزا؟ پوچھتے چلیں

چٹکی کلی کہ شاخ سے پھوٹا کوئی سوال
کس حیلہ گر کی تھی یہ صدا؟ پوچھتے چلیں
کیا آنسوؤں سے بھی نہ بجھا شعلۂ ہوس
کیوں دل جلوں کا ہاتھ جلا؟ پوچھتے چلیں
حرمت نہ ٹوٹ جائے کہیں روشنی کی ڈور
محفل سے اٹھ کے کون چلا؟ پوچھتے چلیں

○

جوہر شناسِ جاں ہو تو اپنا دکھائی دے
رنگِ حنا بھی دل کے لہو سا دکھائی دے

دشتِ بلا ہیں اور ہے منزل رسی کی شرط
دل سے ہٹے غبار تو رستہ دکھائی دے

کیا وقت آ پڑا ہے کہ اپنا وجود بھی
خنجر کی طرح سر پہ لٹکتا دکھائی دے

ہر شخص پارہ پارہ ہے لمحوں کی ضرب سے
چہرہ دکھائی دے نہ سراپا دکھائی دے

ہے اہلِ انتظار کو سورج بھی اک پہاڑ
دن کاٹیے تو شام کا جلوہ دکھائی دے

چاہوں بھی میں تو ہو نہ سکوں اُس سے بدگماں
مجھ سے خفا رہے مگر اپنا دکھائی دے

پہنچے بھی کوئی رنج تو کیسے بُرا کہیں
اُس کو، جو ہم سے بڑھ کے ہمارا دکھائی دے

اک درد ہے کہ ربط دلوں کا ہے برقرار
یہ بھی نہ ہو تو کون کسی کا دکھائی دے

کیا جانے بات کیا ہے کہ اٹھتا نہیں دھواں
دل، چوبِ نم کی طرح سلگتا دکھائی دے

صحرا ہے آگ کا جسے کہتے ہیں تشنگی
بجھ جائے یہ تو ریت کا دریا دکھائی دے

سرمستیِ انا بھی ہے کتنی یہ ہے سانہ جو
تنکا ہوا کے دوش پہ اڑتا دکھائی دے

حرمت وہ دھوپ ہے کہ بیابانِ درد میں
انسان اپنے جسم کا سایہ دکھائی دے

ㅇ

شمع روشن ہوئی محرابِ خود آرائی میں
رنگ خوابوں نے بھرا شام کی نیلائی میں

اِس تن آساں نے بنایا ہدفِ پایابی
دل سے ڈوبا نہ گیا پیاس کی گہرائی میں

مدتوں صرف اُسے دیکھ کے جی بہلایا
جانے کیا بات تھی اک پیکرِ زیبائی میں

رات کی جھیل میں کنکر سا کوئی پھینک گیا
دائرے درد کے، بننے لگے تنہائی میں

ہو کے کس دیس سے آئی ہے، یہ معلوم نہیں
ایک مانوس سی خوشبو بھی ہے پروائی میں

فاصلے سمٹے تو خاک اور اڑائی غم نے
کیا ملا آ کے مجھے بزمِ شناسائی میں

نیم شب مہکے ہیں لمحات کے گیسو اِس طرح
کھِل اٹھے جیسے چنبیلی کسی انگنائی میں

دل وہ درویش کہ جا بیٹھا چٹانوں کے تلے
وقت مصروف رہا انجمن آرائی میں

بھیڑ سی بھیڑ ہے، در تک ہے پہنچنا دشوار
زندگی سے کوئی کیا مل سکے تنہائی میں

شہر و صحرا کی حدیں پھیلتیں کتنی حرمت
ہم جیے اپنے ہی احساس کی پہنائی میں

٥

چشمِ خونبار کی افسانہ گری بھول گئی
فطرتِ غم، مرے دامن کی تری بھول گئی

عشق رسوا تو کبھی سی نہ سکا چاکِ جگر
عقل کیوں رسم و رہِ بخیہ گری بھول گئی

شہرِ نسرین و گل و لالہ تک آتے آتے
زندگی، شیوۂ آشفتہ سری بھول گئی

ہم بھی کیا کیا نہ پشیمان ہوئے ہیں کہ حیات
خود گری بھول گئی خود نگری بھول گئی

ترے الطاف کی شامیں، ترے غم کی صبحیں
آہ! کیا کیا نہ مری بے خبری بھول گئی

وادیِ غم کا بتاتی نہیں کوئی احوال
کیا صبا بھی روشِ نامہ بری بھول گئی

ہوسِ دیر نشینی نے بتایا حرمت
آرزو، لذتِ اصنام گری بھول گئی

خواب ہی خواب تھی اپنی دنیا، خوابوں کی تعبیر کہاں تھی
دل کے مقابل تم سے پہلے اور کوئی تصویر کہاں تھی

ایک تصور تھا منزل کا۔ لیکن مجھ سے آگے آگے
میں تنہا تھا راہِ طلب میں خاک بھی دامنگیر کہاں تھی

عشق کے چاکِ دل کا فسانہ عقل نے بھی دہرایا لیکن
لہجہ میں وہ درد کہاں تھا، بات میں وہ تاثیر کہاں تھی!

حسن کا اک خاموش تبسم کہہ گیا بھولے سے جانے کیا
ورنہ دل کے افسانے کی دنیا میں تفسیر کہاں تھی

دامنِ امکاں پھیلا کر جب دل نے تجھے تجھ سے مانگا تھا
کیا جانے تقدیر کہاں تھی کیا جانے تدبیر کہاں تھی!

لغزشِ آدم کا صدقہ ہے: یہ دنیا، یہ خلدِ محبت
ورنہ اور کسی تقصیر کی اتنی حسیں تعزیر کہاں تھی

اپنا مذاقِ دیدہ وری تھا، زلف و رسن سے بالا حسرت
فخر اسیری پر ہم کرتے، ایسی کوئی زنجیر کہاں تھی

○

آبروئے تپشِ جاں نہ گنوائی جائے
پیاس کی آگ سرابوں میں بجھائی جائے

کون جانے کہ خرد اور رہے محرومِ سکوں
ورنہ پھولوں سے بھی تلوار بنائی جائے

داستاں ایک ہی ہے شعلوں سے خاکستر تک
چاہے خود آگ لگے، چاہے لگائی جائے

یہ چلے گھر سے تو روشن رہے منزل کی ڈگر
رات کی مانگ چراغوں سے سجائی جائے

نخلِ شاداب کو روئے گا کوئی ابرِ بہار
خشک پتوں کی چتا کیوں نہ جلائی جائے

ٹوک بیٹھا کوئی بدبخت تو جانے کیا ہو
خواب کی بات کسی کو نہ بتائی جائے

دل ہو چہرے کی جگہ، دل کی جگہ کوئی دیا
ایک اِس طرح کی تصویر بنائی جائے

فکر بوئیں تو ملے شاخِ نمو پر مہتاب
حرمت ایسی بھی کوئی فصل اگائی جائے

○

لگتا ہے جیسے ایک زمانہ اداس ہے
لیکن یہ سوچ، کیا کوئی مجھ سا اداس ہے؟

اِس وضعِ دلدہی سے لرزتا ہے اور دل
مجھ کو اداس دیکھ کے دُنیا اداس ہے

قاتل کو رحم آئے تو ہے سوچنے کی بات
ڈوبا ہے جانے کون کہ دریا اُداس ہے

لمحوں کے سلسلے میں ہے غم کی بھی اک کڑی
یہ کائنات کل سے زیادہ اُداس ہے

صبح اک لُٹی بساط ہے شام اک بجھا چراغ
ہم دل جلوں کا شہر بھی کتنا اداس ہے!

شاید کہ رہ گئی نہ کوئی جائے عافیت
خوابوں کا ایک ایک جزیرہ اداس ہے

اک سوچ نیند کے عوض آنکھوں میں آبسی
کیا بات ہے کہ شام کا چہرہ اداس ہے؟

لینے لگی تھی سانس فضاؤں کی خامشی
ڈھلنے لگی جو رات تو دنیا اُداس ہے

جلتی ہے دھیرے دھیرے کسی یاد کی چتا
پچھلے پہر کی بزم تماشا اُداس ہے

یہ خلوتِ رموز ہے کس درجہ بے خروش
حشر آفریں خلاؤں کی دنیا اُداس ہے

حرمت نجانے کہہ گئی کیا، جاتے جاتے رات
مجھ سے زیادہ صبح کا تارا اُداس ہے

○

یہ رسمِ ہمقدمی ہے اک امتحان مجھے
میں اپنے ساتھ ہوں، تنہا نہ اتنا جان مجھے

رہوں فضاؤں میں اک رمز کی طرح محفوظ
بنا بھی ڈال کسی زمزمے کی تان مجھے

زمیں سے اوجِ فلک کا سفر نہ تھا دشوار
بڑے نشیب سے بھرنی پڑی اڑان مجھے

میں تیر ہوں، مری منزل کا کیا ٹھکانہ ہے
یہ کون جانے، کدھر پھینک دے کمان مجھے

نہ رک سکا کہ تھی حائل انائے درویشی
پکارتی رہی ہیروں کی ایک کان مجھے

کوئی مکیں نظر آیا نہ میزباں پایا
وہ میہماں ہوں کہ خالی ملا مکان مجھے

صریرِ خامہ تھی حرمت حریفِ کم سخنی
بنا گئی مرے احساس کی زبان مجھے

٥

دل و دانش کے تقاضوں میں کہیں ربط نہیں
کوئی پامالِ گماں ہے کوئی پامالِ یقیں
کتنی بے مہر ہوئی جاتی ہے آغوشِ زمیں
زندگی کہتی ہے انسان سے "چل اور کہیں"
سوچتا ہوں کہ یہ کس طرح کی محرومی ہے؟
سب کچھ انسان کا، انسان خود اپنا ہی نہیں
اک عجب بھیڑ چلی جاتی ہے رستے رستے
نہ کوئی خانہ نشیں ہے نہ کوئی بزم نشیں
تیرا کوچہ تھا کہ تھی اور کوئی راہگزر
کیا خبر، زندگی کھو آئی کہاں دل کا نگیں؟
نہ بھڑکتا ہے کوئی شعلہ نہ اُٹھتا ہے دھواں
روح میں ایک شرارہ سا ہے قرنوں سے مکیں

راہ اُس لمحے کی تکتے ہوئے مدت گزری
اپنے محور پہ ذرا دیر کو رک جائے زمیں
بے ستوں اپنی چٹانیں لئے اترا آتا ہے
تیشۂ کوہکنی ہے نہ جمالِ شیریں
کوئی پتھر ہے نہ ٹھوکر، یہ سفر کیسا ہے؟
وہ مسافر ہوں کہ رستے میں فلک ہے نہ زمیں
چھوٹی فردوس تو یہ سانحہ گزرا حرمت
اپنے ہی نور سے دھندلا گئی آدم کی جبیں

o

کو بکو پھیل گیا شعلۂ پنہاں کیا کیا
ایک قندیل سے ہوتا ہے چراغاں کیا کیا

اول اول سفرِ درد میں اوروں کی طرح
ہم بھی تھے دوریِ منزل سے ہراساں کیا کیا

پاؤں ٹھہرے تو خیالوں نے بھی آنکھیں کھولیں
ورنہ کانٹوں سے الجھتا رہا داماں کیا کیا

اک صدا گونجتی ہے، گونج کے رہ جاتی ہے
جنبشِ لب سے خموشی کے ہیں پیماں کیا کیا

کیا عجب، لاج بچا لے کوئی کھوٹا سکہ
خندۂ درد ہے بازار میں ارزاں کیا کیا

پھر کبھی زحمتِ یک گام، مرے حشر خرام!
یاد کرتی ہے تجھے رہگزرِ جاں کیا کیا

تجربوں نے ہنرِ بخیہ گری سکھلایا
ورنہ ہم بھی تھے کبھی چاک گریباں کیا کیا

زندگی! تیرے فقط ایک تبسّم کے لئے
ہم فقیروں نے لٹائے دل و ایماں کیا کیا

جتنا ماضی سے بچا، اتنی ہی کھنکی زنجیر
ایک اک لمحہ ملا سلسلہ جنباں کیا کیا

دی جو آواز غریب الوطنی نے حرمت
یاد آیا ہمیں اک شہرِ نگاراں کیا کیا

o

صبح راہوں میں بکھر جاتی ہے — شام باہنوں میں اتر آتی ہے

دن سلگ اٹھتا ہے چندن کی طرح — رات ناگن سی لپٹ جاتی ہے

کسی گنبد کی صدا کی مانند — فکر کو فکر ہی دہراتی ہے

قافلے سے مجھے رہنے دو الگ — بھیڑ میں روح بکھر جاتی ہے

زندگی، کرشن سمجھتی ہے مجھے — چاند، آئینے میں دکھلاتی ہے

ڈال کر راہ میں کھوٹے سکّے — روز دنیا مجھے للچاتی ہے

خاکِ پامال بھی میری ہی طرح — جانے کس بات پہ اتراتی ہے!

لاجونتی ہے کسی شوخ کی یاد — دل بھی دھڑکے تو سمٹ جاتی ہے

ڈولی آنکھوں کی ہے سونی حرمت

نیند محبوب سی شرماتی ہے

○

کیا چند آنسوؤں سے بہل جائے گی یہ رات
ڈھا کر نجانے کتنے محل جائے گی یہ رات

بھولو نہ عہدِ ہمسفری، جاگتے رہو
نیند آ گئی تو دور نکل جائے گی یہ رات

مدہوش اِس قدر ہے کہ ڈرنے لگا ہے جی
چھیڑو نہ، ورنہ اور مچل جائے گی یہ رات

بھٹکے گی لڑکھڑائے گی، آغازِ راہ ہے
دو چار گام چل کے سنبھل جائے گی یہ رات

سوزِ آشنائے درد ہے، اک آنچ کی ہے دیر
گل کر دو شمع ورنہ پگھل جائے گی یہ رات

کچھ تو ہے جس کی گونج ہے لیکن نہیں خبر
بجھ جائے گا یہ چاند کہ جل جائے گی یہ رات

سائے بھی ڈوبنے لگے تاروں کے ساتھ ساتھ
دو اک گھڑی کی بات ہے ڈھل جائے گی یہ رات

خورشیدِ صبح پائے گا کیا راکھ کے سوا
پہنچی افق کے پاس کہ جل جائے گی یہ رات

حرمت اسے بھی چاہیے اک دردِ لازوال
دامن میں لے کے میری غزل جائے گی یہ رات

○

عجب نہیں کہ سُبک کردۂ انا ٹھہریں
بڑھائیں بات تو خود مجرمِ وفا ٹھہریں

ہے احترامِ طلب غیرتِ فقیرانہ
وہ آنکھ اٹھے نہ جو اک بار بھی تو کیا ٹھہریں

نکھار دیں کوئی چہرہ سنوار دیں کوئی زلف
کسی کے ہاتھ میں مانندِ آئنہ ٹھہریں

لہو کی بوند کو عشرت فروشِ رنگ کہیں
چمن میں جائیں شبستانیِ حنا ٹھہریں

کوئی دریچہ کھلے، کوئی ہاتھ لہرائے
یہ سوچتے ہیں، سرِ رہگزار کیا ٹھہریں

اک ایک لمحے کا دینا ہے راستے کو حساب
تجھے نہ پائیں تو کیا اہلِ مدعا ٹھہریں

چلے تو ساتھ چلے جادۂ سفر حرمت
رکیں تو اپنے ہی قدموں کا فاصلہ ٹھہریں

○

ایک چتا رکھی دیکھی تھی آخرِ شب انگاروں میں
رات کھڑی تھی زلفیں کھولے، چاند تھا ماتم داروں میں

وجہ نہ پوچھو، اتنا سمجھو، یہ بھی ہے اک افتادِ خیال
تن جھیلے پاتال کی بپتا، من جھولے سیّاروں میں

عمر گزارو اِس انداز سے جیسے موسم جاڑوں کا
دن میں دھوپ سے جی بہلاؤ، رات کٹے انگاروں میں

کان ہی رکھتی ہیں تو عجب کیا، بول پڑیں تو آفت ہے
تم کو خبر کیا، کتنے پیکر جذب ہیں اِن دیواروں میں

خوابوں کی یہ راہ بھی دل پر بند ہوئی، کیا کیجیے گا
کل تک شاعر کہہ لیتے تھے چل کر رہیے تاروں میں

مسکن تو اچھا ڈھونڈا ہے لیکن دونوں ہیں نادان
پلکوں میں راتیں آبیٹھیں، نیندیں پہنچیں غاروں میں

نازکشانِ جاہ و حشم! اِس وضعِ نظر کا کیا کہنا!
دولت کو جو ٹھکرائے، اس کو گنئے ناداروں میں

حرمت صاحب! اپنی شرافت پر اترانا چھوڑو بھی
یہ کھوٹا سکّہ ہے، اس کی قدر کہاں بازاروں میں!

○

لمحوں کی کائنات ہے بازار کی طرح
تکتا ہوں چار سو کسی نادار کی طرح

بنتا بھی بیکرانیِ غم کا حریف کون
دل، زندگی کے ساتھ ہے پتوار کی طرح

بکتا بھی ہے محال کہ افتادِ بے زری
رستے میں خود کھڑی ہے خریدار کی طرح

کٹنے لگے ہیں پاؤں، کٹے کیسے راستہ
ہر رہگزر ڈراتی ہے تلوار کی طرح

وحشت سرائے جسم میں تنہا ہوں کس قدر!
خود چونک چونک جاتا ہوں بیمار کی طرح

دورِ خزاں کی تند ہواؤں کا شکریہ
دل جھومتا ہے شاخِ سبکسار کی طرح

کردار جانے کتنے فسانوں کا بن چکا
دنیا میں جی رہا ہوں اداکار کی طرح

یہ رات، آنسوؤں سے جو کھیلی ہے تا سحر
سر پر گرے نہ بھیگتی دیوار کی طرح

حرمت قدم بڑھاتا ہوں تیغوں کی چھاؤں میں
قاتل کھڑے ہیں راہ میں اشجار کی طرح

○

آئینہ، عکس کی چاہت میں نہ توڑا ہوگا
راز جو ہوں گے مگر کیا کوئی ایسا ہوگا

دوستو! مملکتِ غم کا کوئی اُور نہ چھور
اس میں خورشید کبھی کا ہے کو ڈوبا ہوگا

ایک اُس پل کے لئے شامِ ابد جس کو کہیں
دشت در دشت زمانہ بھی بھٹکتا ہوگا

تیری آواز بڑی دور تک آئی ہمراہ
میں یہ سمجھا تھا، ہوا کا کوئی جھونکا ہوگا

نہ ہنسو اس پہ کہ محتاج ہے دریاؤں کا
دل کی مانند سمندر بھی تو پیاسا ہوگا

داستاں لالۂ صحرا کی انوکھی ہی سہی
پیار کا پھول بھی ویرانوں میں کھلتا ہوگا

مجھ کو پہچانو کہ آغوشِ صدف کی صورت
مدتوں وقت نے رستہ مرا دیکھا ہوگا

ہائے وہ وقت کہ سرشاریِ خوں نے حسرت
اپنے پیکر میں کسی اور کو ڈھونڈا ہوگا

○

رہ رہ کے بان آتے ہیں یادوں کے گاؤں سے
کیا نکلے کوئی درد کی خلوت سراؤں سے
باہنیں کھلی ہوئی ہیں نشاطِ خیال کی
اک بنتِ ماہ جھانک رہی ہے خلاؤں سے
وہ دُھن سفر کی ہے کہ نہیں تن بدن کا ہوش
رک کر نکالتے نہیں کانٹے بھی پاؤں سے
تھے کیسے راہرو کہ اٹھائی نہ آنکھ بھی
ٹھنڈک پکارتی رہی نخلوں کی چھاؤں سے
آنکھیں کہاں سے لاؤ گے اتنی کہ جی سکو
کیا جانے تیر آئیں گے کن کن دشاؤں سے!
رات اِس قدر ہے سرد کہ بجھنے لگے بدن
جاتے ہیں مانگنے کو حرارت چتاؤں سے

صحرائے شب سے لوٹے ہیں اِس طرح اہلِ غم
آئے ہوں جیسے چھوٹ کے لمبی سزاؤں سے
اِن قمقموں کی بھیڑ میں گم ہو گئی وہ بھی
اک روشنی جو لائے تھے اندھی گپھاؤں سے
ہنس ہنس کے رات کاٹنے والے کو کیا ہوا؟
روتا ہے مل کے صبح کی ٹھنڈی ہواؤں سے
پھولوں کی طرح چنتا ہوں لمحوں کی آہٹیں
حرمت بچھڑ گیا ہوں میں اپنی صداؤں سے

٥

میں سمندر ہوں، مڑا بھی تو کدھر جاؤں گا
اپنے ہی دائرۂ جاں میں بکھر جاؤں گا

ذہن ہوں، جسم کی مانند مزیّن نہ کرو
پیرہن خاک کا پہنوں گا تو مر جاؤں گا

اک ابدکیش تسلسل ہے یہ زنجیرِ وفا
میں وہ تہمت ہوں کہ ہر دور کے سر جاؤں گا

یہ سرور اور ہی شے ہے کہ تہی جام ہوں میں
ہوش آئے گا تو پیمانہ سا بھر جاؤں گا

افقِ صبح پہ سورج سا چمک لینے دو
شام آئی تو ستاروں سا بکھر جاؤں گا

رکتا چلتا ہوں کہ بچھڑے ہوئے ساتھ آجائیں
کون کہتا ہے کہ رستے میں ٹھہر جاؤں گا

آئنہ ہوں، تجھے دکھلاتا ہوں چہرہ تیرا
کوئی پتھر ہوں کہ تیشے سے سنور جاؤں گا
کیا ڈبوئے گا مجھے وقت کہ میں خود حرمت
بھاگتے لمحوں کے دریا میں اتر جاؤں گا

○

اک مسافر کی طرح بھی نہ کبھی لوٹ سکا
جانے کس دیس میں ارمانوں کا سورج ڈوبا

نیند کی بھیک پہ پلنے کے سوا کچھ نہ کیا
ذائقہ خوابوں کا آنکھوں کو نہ چکھتا آیا

کون دیکھے یہ تماشا کہ لرزتا ہے جگر
کس لئے لہروں کی آغوش میں رکھتا ہے دیا؟

میں کہ بھونرے سا بھرا وقت کی پھلواری میں
چاہتا کیا تھا، مجھے خود بھی نہ معلوم ہوا

کبھی ناخوش، کبھی خوش اور کبھی درپئے جاں
دل کے معمورے میں رہتا ہے وہ ہمسائے سا

درد کا بوجھ لئے ناچ رہی ہے کب سے!
کس سبک دست نے کھینچا تھا زمیں کا خاکہ

منتظر جنبشِ خامہ کی ہے لوحِ تقدیر
جانے کس سوچ میں گم ہے مری دنیا کا خدا

چونک چونک اٹھتی ہے مجرم کی طرح کالی رات
لکڑیاں نم ہیں تو تھم تھم کے سلگتی ہے چِتا

غم کے میلے میں اچانک جو ملاقات ہوئی
دیر تک اپنے خیالوں سے لپٹ کر رویا

زندگی گزری ہے اوراق الٹتے حرمت
دل کے بہلانے کا نسخہ نہ کہیں ہاتھ آیا

o

رقصِ نوا پر ایک زمانہ جھومے اور اترائیں ہم
پاؤں دیکھ کے مور کی صورت شرما شرما جائیں ہم

اک دنیا ناراض ہے، کس کو کس کو منانے جائیں ہم
خوش نہیں کچھ اپنے سے بھی، یہ زخم کسے دکھلائیں ہم

ڈھونڈ رہے ہیں کھوئی ہوئی جنت کی طرح اک مدت سے
شہر میں پھر کیوں آئیں جو اپنا بندرابن پا جائیں ہم

آگہی، دل ٹھنڈا کرنے کی کرتی ہے سو سو تدبیر
پائیں تو سقراط کے حصے کا پیالہ پی جائیں ہم

دنیا کا کیا، دنیا تو جینے والوں کی دشمن ہے
لیکن یہ بھی ہو نہ سکے گا، دنیا کو ٹھکرائیں ہم

کھوئے کتنے لعل و گہر تو ایک تمنا ہاتھ آئی
ڈوب سکیں جس کی موجوں میں وہ ساگر بن جائیں ہم

نیند خفا سی آنکھیں پیاسی، ایک اداسی چاروں اور
رات کی منزل کتنی بھاری ہے، کس کو بتلائیں ہم

کیا جانے وہ کون سی ساعت تھی کہ سفر کو نکلے تھے
حرمت صاحب! کیا جانے کب لوٹ کے گھر کو آئیں ہم

o

بیاکل من ٹھنڈا پڑ جائے، ایسا روئیں اتنا روئیں
دو بوندیں ٹپکا لینا کیا — روئیں تو ساون سا روئیں
جانے کیوں جی چاہتا ہے، یہ پاس نہ ہو غم خوار بھی کوئی
خلوتِ غم میں بیٹھے رہیں اور رات گئے تک تنہا روئیں
کم سے کم یہ رات ابد تک یاد رہے گی، یاد کرے گی
شام سے بیٹھیں اور سحر تک اوس سا قطرہ قطرہ روئیں
دو دو باتیں کر کے بھگو لیں پلکیں، اس کا کیا حاصل ہے؟
صحرا صحرا دکھ پایا ہے، آؤ — دریا دریا روئیں
مانگنے کو اوروں سے بھی ہم مانگ لیں آنکھیں، مانگ لیں آنسو
لیکن حرمت کون بتائے — کب تک روئیں کتنا روئیں؟

٥

دل ہے ویران تو آنگن ہی سجایا جائے
چاند کو تھال کے پانی میں اتارا جائے

یہ ستاروں کی لگاوٹ ہے بڑی دشمنِ جاں
کیوں خلاؤں سے ہمیں روز پکارا جائے !

ایک ہنگامہ سرِ شہرِ بلا اور سہی
کیا برا ہے، کسی دیوانے کو چھیڑا جائے

اِس طرح بوجھ ہے احساس پہ گزری ہوئی رات
جاگ بھی جائیں تو بستر سے نہ اٹھا جائے

سانس بھی محفلِ عشرت میں نہیں لی جاتی
جی لرزتا ہے کوئی پھول نہ کملا جائے

کیا عجب، وار یہ کر جائے کہ رہزن ٹھہرا
بھاگتے وقت کو رستے میں نہ ٹوکا جائے

بکنے جائیں بھی تو ہے کون خریدار اپنا
روز سونے کی طرح ہم کو نہ پرکھا جائے

مدتوں پر کسے دیکھا ہے کہ جی بھر آیا
اِس طرح جیسے کوئی آئینہ پگھلا جائے

کتنا پیارا ہے کہ یہ سوچتے گزرے کئی سال
بھولنا چاہوں تو کیسے اسے بھولا جائے

درد بھی ہے کسی دریائے رواں سا حرمت
منتیں لاکھ کرو اس سے نہ ٹھہرا جائے

○

کیا کہوں ، کون مرا قاتل ہے؟ اک سخنور کی انا قاتل ہے
کیجئے بچنے کی تدبیر کہ وقت قاتلوں سے بھی بڑا قاتل ہے
ایسا ڈرتا ہوں دعا سے جیسے ہاتھ خنجر ہیں، دعا قاتل ہے
محرمِ راز بنایا تھا اسے کیا خبر تھی کہ صبا قاتل ہے
کس سلیقے سے چھپایا ہے لہو کون جانے کہ حنا قاتل ہے
سوہنی کا ہے انوکھا قصہ ایک مٹی کا گھڑا قاتل ہے
کس طرح کی یہ مسیحائی تھی ہر کوئی بول اٹھا، قاتل ہے
تھرتھرا جاتی ہے انفاس کی لَو شہر کی آب وہوا قاتل ہے

رات کس طرح گزاروں حرمت
چاند دشمن ہے، فضا قاتل ہے

○

تنہائی نے سازش کی ہے ہنگاموں نے کھیل رچا ہے
رستے رستے بھیڑ لگی ہے، آنگن آنگن سناٹا ہے

دن بھر خاک نے سونا لوٹا، کرنوں کی ایک ایک ادا کا
بھیک ستاروں کی لینے کو شام نے آنچل پھیلایا ہے

کوئی مسافر تھا کہ بھکاری کوئی شناسا تھا کہ پجاری
جانے کون تھا، دستک دیتے دیتے آخر لوٹ چلا ہے

درد کے رن سے اکثر اک آواز آتی ہے پچھلے پہر کو
جان نچھاور کرنے والو! تم میں کوئی زندہ بھی بچا ہے؟

یہ عالم بھی کیا عالم ہے! رشک سا آتا ہے اپنے پر
آنکھوں میں سو خواب بسے ہیں، ماتھے پر اک درد سجا ہے

صبح کا رستہ تکنے والو! جانے کیا ہو صبح آنے تک
دیپک کی لو اونگھ رہی ہے اور اندھیرا جاگ رہا ہے

دکھ کو اُبھرنے کب دیتی ہے سینے کی گہرائی حرمت
ساگر اپنی ہی موجوں سے سر کو ٹکراتا رہتا ہے

ہ

یہ ہوا خوب چلی آگ لگانے والی
گھر تو گھر، دل کی اٹاری کو جلانے والی

بجھنے پائے نہ دیا، لَو کو سنبھالے رکھو
اور اک رات ہے بیمار پہ آنے والی

کہتی رہتی ہے کہ چہروں کا کوئی قحط نہیں
زندگی: میرے خط و خال چرانے والی

دن ہوئے جاتے ہیں راتوں سے زیادہ سفاک
اے نسیمِ سحری! مجھ کو جگانے والی

سوتے لمحات میں بھی جاگ رہی ہے اک آنکھ
عافیت کوشوں کو دیوانہ بنانے والی

ایک تو دل کی تھکن، اُس پہ تھکن دن بھر کی!
یہ کہانی نہ کہو نیند اڑانے والی

خلوتِ فکر کے پردوں کے اُدھر دیکھے کون
لاکھ ڈھونڈے مجھے دنیا نہیں پانے والی

جانے کیوں روتی ہے دامن سے لپٹ کر حرمت
ایک آواز ـــ بڑی دور سے آنے والی

○

کیا پکارے گی مجھے سطوتِ جم کی نگری
میں کہاں اور کہاں جاہ و حشم کی نگری
کس لئے ہو کوئی آوارۂ صحرائے خیال
دل ہی اللہ کا گھر دل ہی صنم کی نگری
درد سینوں سے گیا نور جبینوں سے گیا
کیا کرے کس سے کہے دیر و حرم کی نگری
کہیں پگھلی ہے دو اک روز میں زنجیرِ وجود
مدتوں دیتی ہے آواز عدم کی نگری
دلِ مجروح! فقط اپنے ہی زخموں کو نہ گن
آسماں بھی ہے سجائے ہوئے غم کی نگری
رازِ جو لمحوں کو ملتا نہیں اتنا بھی سراغ
کن خرابوں میں ہے روپوش ارم کی نگری!
جھلملاتے ہوئے تاروں سے بنہ کھیلو حرمت
محفل آرا ہے پسِ پردہ عدم کی نگری

٥

کس طرح جسم و جاں کو غریقِ بلا کروں
جاؤں کدھر لہو کے سمندر کو کیا کروں

سورج کی روشنی ہوں نہ کہسار کی ہوا
میں زندگی کی راہ میں کب تک لٹا کروں!

تیور بڑے عجیب ہیں دشتِ سکوت کے
چھیڑوں بھی سازِ جاں تو کسے ہم نوا کروں؟

بیٹھوں جلا کے صبح سے امید کا چراغ
ڈھل جائے دن تو شکر کا سجدہ ادا کروں

کچھ بھی نہیں مگر یہ تماشا عجیب ہے
توفیق دے کہ روح کو جسم آشنا کروں

رک جاؤں راہ میں تو جھنجھوڑے گی دل کی آس
بستی کے جھلملاتے چراغوں کو کیا کروں!

صبحیں اداس اداس ہیں، شامیں تھکی تھکی
کس کے لئے حیات کی آغوش وا کروں؟

خلوت کدوں کے راز لگائیں مجھے گلے
خوشبو کی طرح دوشِ ہوا پر اڑا کروں

حرمت یہ زندگی ہے کہ اطفال کا پتنگ
سانسوں کی ڈور تھام کے کب تک جیا کروں

جانے کیسا کھیل ہے جیون!
وقت ہے یا کوئی دیوانہ
کون ہمیں سمجھے؟ کیوں سمجھے!
روز کے دکھ سکھ کی معصومی
کھوگئی اپنی لے میں آخر
ایک گرہ غم کی بھی دے لو
کون اساڑھ کا تپنا جانے!
ہوگئی اس کی جوالا پانی

مٹی کا تن شیشے کا من
شیشے ٹوٹ رہے ہیں چھن چھن
ہم جیسوں کے دوست بھی دشمن
کہلاتی ہے گھر کا آنگن
کب تک پھرتی در در جوگن!
ڈھیلا ہے انفاس کا بندھن
کن شاخوں میں جھولے ساون؟
کیا سلگے ماتھے کا چندن

بجھتا جاتا ہے سورج بھی
حرمت کیا ہو دنیا روشن

٥

پیار کی گود بنو، مجھ کو بچا لو یارو
فکر کی جوت ہوں، سینوں میں چھپا لو یارو

ہیبتِ امواجِ قدمبوس کی، جانے کیا ہے
میں ہوں نخلِ لبِ جو، مجھ کو سنبھالو یارو

نیم شب گھر سے کہاں جاتے ہو گوتم کی طرح
بام و در نیند میں ہیں، ان کو جگا لو یارو

ہمہ تن سوز ہوں، اتنی تو مری قدر کرو
خلوتِ درد کی قندیل بنا لو یارو

کیا برا ہے، کسی سورج کا افق بن جاؤ
وقت کا زخم ہوں، ماتھے پہ سجا لو یارو

کبھی آنکلو گھڑی بھر کو پئے غمخواری
دل کے بیمار سے جینے کی دعا لو یارو

تم کہو گے تو میں بک جاؤں گا یوسفؑ کی طرح
پہلے لمحوں کے کنویں سے تو نکالو یارو

اک شرارے کا ہوں محتاج کہ دل جی اٹھے
آگ کی بھیک دو، مرنے سے بچا لو یارو

حرمت اس طرح کہاں دام میں آنے والا
اپنے اخلاص کو زنجیر بنا لو یارو

۵

اندھی موجو! کون سی رت ہے، دل کا سکوں کیوں خواب ہوا ہے؟
قطرہ کیوں طوفان بنا ہے، ساحل کیوں گرداب ہوا ہے؟
چھوٹی چھوٹی باتوں میں یہ خنجر سی کاٹ آئی کہاں سے!
چنچل من کا گہرا ساگر کیوں اتنا پایاب ہوا ہے؟
لہجے کو کتنا ہی سنوارو، کوئی فسانہ چھیڑو — لیکن
بہکی بہکی باتوں میں جو رس تھا وہ نایاب ہوا ہے
پچھلے پہر کے آتے آتے عالم کیا ہوگا، کیا جانے
شام ہی سے بھیگی پلکوں کا ویرانہ شاداب ہوا ہے
سر سے اوپر پہنچا پانی۔ کون پڑھے پہروں کی کہانی!
اڈا ہے آنکھوں کا دوآبہ، دل کا نگر غرقاب ہوا ہے
ننھا سا وہ ایک ستارہ تھا جو افق پر سہما سہما
رفتہ رفتہ آئی جوانی رات پہ تو مہتاب ہوا ہے
حرمت ریت کی اوچھی جگمگ ہم کو کیا بھٹکاتی لیکن
کتنی قاتل ہے یہ پیاس کہ امرت بھی زہراب ہوا ہے

٥

نکتہ دانِ سحر و شام نہیں ہے کوئی
محرمِ گردشِ ایام نہیں ہے کوئی

تیز کتنا ہی چلو، راہ میں رہ جاؤ گے
وقت سے بڑھ کے سبک گام نہیں ہے کوئی

جس کو دیکھا وہ ملا اپنے لہو سے سرشار
بزمِ حرماں میں تہی جام نہیں ہے کوئی

طائرِ جاں کو پھڑکنے کا سلیقہ ہی کہاں!
کون جانے کہ تہِ دام نہیں ہے کوئی

میں ہوں اک خلوتیِ میکدۂ آخرِ شب
کیا سرور آئے کہ ہم جام نہیں ہے کوئی

زندگی خود بھی سبکسار ہوئی دے کے لہو
اور قاتل پہ بھی الزام تہیں ہے کوئی

پیچ در پیچ ہے لمحاتِ گریزاں کا سفر
راہ میں منزلِ یک گام نہیں ہے کوئی

عشرتِ ہم سفری اور نہ کر دے تنہا
زندگی رہ گزرِ عام نہیں ہے کوئی

افقِ تیرہ کو ہے اپنے مسافر کی تلاش
کیا پسِ مرحلۂ شام نہیں ہے کوئی؟

بے نیازانہ گزرتی تھی صبا کب اس طرح
کیا مرے نام کا پیغام نہیں ہے کوئی!

حرمت آخر اسے کس طرح پکارا جائے؟
روپ کتنے ہیں مگر نام نہیں ہے کوئی

قطرہ قطرہ مجھے آنکھوں سے بہایا ہوتا
آبجو سا کسی قلزم سے ملایا ہوتا

پھول کیوں حسرتِ ناکام لئے مرجھاتا
شاخ سے توڑ کے زلفوں میں سجایا ہوتا

کتنی مغرور ہے یادوں کی جراحت طلبی
زہر میں پھر کسی خنجر کو بجھایا ہوتا

دیکھتے جرأتِ برباد کا اندازِ نمو
دل کو آنکھوں کے دوآبے میں لٹایا ہوتا

دے کے دستک نہ ہواؤں کو پلٹ جانا تھا
بات تو جب تھی کہ سوتوں کو جگایا ہوتا

دن کا سورج ہوں مگر کب سے بجھا بیٹھا ہوں
ہوگئی شام تو مجھ کو بھی جلایا ہوتا

ٹوٹتا رات کے آنچل سے ستارہ کوئی
اور میں نے اسے پلکوں سے اٹھایا ہوتا

خلوتِ فکر نے خود کھول دیں باہیں ورنہ
روحِ دانش نے کہیں چین نہ پایا ہوتا
اتھیں دیپوں سے ابھرتیں کئی آنکھیں حسرت
گھر سجایا تھا تو دل کو بھی سجایا ہوتا

o

رباعیاں

ذائقہ کون بتائے اس کا
وقت ہیرے کی کنی ہو جیسے

شعلہ سا شبِ تار میں بل کھایا ہے
[آنگن کا گلاب اور بھی لہرایا ہے]
رہ رہ کے لرزتا ہے گھنا سناٹا
ہر گام پہ چھپتا ہوا کون آیا ہے؟

اک آن میں ہے جانیے کیا ہونے کو!
اک ساز ہے محروم نوا ہونے کو
کہہ دو کہ ذرا گردشِ دوراں تھم جائے
آیا ہے کوئی مجھ سے جدا ہونے کو

رخصت کی گھڑی آگئی، آنکھیں کھولو
دل پر ہے یہ چپ اور گراں، کچھ بولو
لمحاتِ گزشتہ کی نہ چھیڑو روداد
یہ وقت غنیمت ہے، رلا لو، رو لو

کلکتہ کے ایک رومان پرور تہوار کے نقوش

تاروں بھرے آکاش کا منظر جیسے
پھولوں کی گھٹا برسے امڈ کر جیسے
تا دُور یہ کندن سے بدن لہراتے
پگھلے ہوئے سونے کا سمندر جیسے

لمحات کو اندازِ کلام آیا ہے
نا دیدہ بہاروں کا پیام آیا ہے
اٹھتی ہیں نگاہیں تو یہ ہوتا ہے گماں
مہتاب کی نگری سے سلام آیا ہے

مکھڑے ہیں کہ لالہ و یاسمن جلووں کے
زلفوں میں پڑے سے ختن جلووں کے
قدموں تلے بچھتی سی دھنک خوابوں کی
ہر گام پہ کھلتے سے چمن جلووں کے

لَو دیتی سی گیتی کی تمنائیں بھی
لچکاتی کماں وقت کی آشائیں بھی
ملتے ہیں کئی دور کہ ہیں محو خرام
سیتائیں بھی سلمائیں بھی لیلائیں بھی

شرماتی ہے، اتراتی ہے، بل کھاتی ہے
یہ رات عجب انداز سے اٹھلاتی ہے
سانچے میں ڈھلے جاتے ہیں جادو کتنے
ناگن ہے کہ لہرائے چلی جاتی ہے

○

بیدار ہے، بیخواب ہے، تابندہ ہے
رازِ ابدیت کا نمایندہ ہے
اس رات کی جادو بھری خاموشی کا
ہر لمحہ مرے دل کی طرح زندہ ہے

ہر ساحل و گرداب سمٹ آیا ہے
ماضی کا اک اک باب سمٹ آیا ہے
تعبیر کی دولت لئے اِن لمحوں میں
دو سال کا ہر خواب سمٹ آیا ہے

سینے میں اترتا ہوا، لہراتا ہوا
خلوت کدۂ روح کو مہکاتا ہوا
سہمے ہوئے قدموں کا وہ مدھم سنگیت
دل رات کے سناٹے کا دھڑکاتا ہوا

بوتل سے چھلک اٹھے گلابی جیسے
لچکے کوئی پھولوں بھری ٹہنی جیسے
آنا وہ قریب اور پلٹ جانا پھر
خوشبوؤں کی نرم نرم آندھی جیسے

مہتاب کے ٹکڑوں سا اٹھاؤ ہم کو
پلکوں سے چنو دل میں سجاؤ ہم کو
لمحات کے ہاتھوں سے گرا چھوٹ کے ساز
نغمات یہ کہتے ہیں، بچاؤ ہم کو

آنکھوں میں ستاروں سا سمولوں، آؤ
اس رات کو بازوؤں میں تولوں، آؤ
اچھا نہیں اٹھتے ہوئے طوفان کا رخ
کچھ دیر تمھیں دیکھ کے رولوں آؤ

اک آخری گیت اور سنا کر جاؤ
خوابوں کو سرِ راہ لٹا کر جاؤ
میں پیار کی کلیوں کو کہاں دفناؤں؟
اے جاتی بہارو! یہ بتا کر جاؤ
ہ

ایڈن گارڈن کلکتہ میں

پامال بہاروں کی امانت بھی نہ لی
صبحوں سے کسی شام کی قیمت بھی نہ لی
اے رسمِ وفا! تجھ کو کہاں تک روؤں
جاتے ہوئے لمحوں نے اجازت بھی نہ لی

صحرا کی کسی جھیل کے ساحل کی طرح
کہساروں کے ویران مراحل کی طرح
ہونے کو تو کیا کچھ نہیں اس محفل میں
سونی ہے یہ محفل بھی مرے دل کی طرح

٥

[شبستان جمال سے رخصت ہوتے ہوئے]

رستے میں سمندر کوئی لہرایا تو؟
دل پر کسی طوفان کو پیار آیا تو؟
رہ رہ کے اٹھاؤ نہ یہ نمناک آنکھیں
حق ان کا ادا مجھ سے نہ ہو پایا تو؟

نغمات کا آہنگ بدل جائے گا
ہر زمزمہ انگاروں میں ڈھل جائے گا
پلکوں پہ دہکتے ہوئے قطروں کی قسم
احساس کا آئینہ پگھل جائے گا

کیوں درد کو محتاجِ نَے و چنگ کرو
افسردگیٔ ذہن کو گلرنگ کرو
جذبات کو سکھلاؤ توازن کی ادا
اس ساز کے تاروں کو ہم آہنگ کرو

اک چاک کہ دامن میں ہے وہ سل جائے
سنکے کوئی جھونکا تو کلی کھل جائے
دل جلوۂ آواز سے بہلا کیا کیا
وقت آگیا آنکھوں کا بھی حق مل جائے

آواز معاون ہو توقع کم ہے
آنکھوں کی خموشی کا عجب عالم ہے
آنکھوں کو بھی ہونے دو شریکِ گفتار
الفاظ کا مفہوم بڑا مبہم ہے

یہ فاصلے یہ مرحلے آخر کب تک؟
آشاؤں کی دنیا چلے آخر کب تک؟
کیوں خود کو بناؤ ہدفِ روپوشی
مہتاب گھٹاؤں تلے آخر کب تک؟

تھک جاؤں اور تھک کے سو جاؤں میں
منزل سے نہ دور اور، ہو جاؤں میں
آنکھوں سے کہو مجھ کو پکاریں اک بار
آواز کے صحرا میں نہ کھو جاؤں میں

٥

ان قصر نشینوں کا کھلونا نہ بنو
ان شوخ حسینوں کا کھلونا نہ بنو
ان زہرہ جبینوں کو کھلونا نہ بناؤ
ان زہرہ جبینوں کا کھلونا نہ بنو

بے نور ہیں کیوں دل کے نگیں؟ کس سے کہوں
کیا بن گئی آدم کی زمیں؟ کس سے کہوں
بے مہریٔ عالم کا گلہ سب کو ہے
بے مہر یہاں کون نہیں؟ کس سے کہوں

یہ ساز بھی یہ چنگ بھی ڈس لیتا ہے
نغمات کا آہنگ بھی ڈس لیتا ہے
کانٹوں کی ہے بات اور کہ حرمت اکثر
پھولوں کا حسیں رنگ بھی ڈس لیتا ہے

یہ دور محبت کی لطافت کا نہیں
سرشاریٔ اخلاص طبیعت کا نہیں
اس دور کے پیمانے میں ہے عقل کا زہر
یہ دورِ غمِ جاں کی حلاوت کا نہیں

وہ رنگِ وفا ہیر کی محفل میں نہیں
وہ سوز کسی سوہنی کے دل میں نہیں
ہر نجد ہے ماتم کدۂ عشرتِ جاں
لیلائے تمنا کسی محمل میں نہیں

○

آکاش پہ کوندے کا لپکنا جیسے
اک لمحے کو جگنو کا تماشا جیسے
آیا تو وہ اس طرح گلے مل کے چلا
اُڑتی ہوئی خوشبوؤں کا جھونکا جیسے

ہر آہ کو شب گیر بناتے جاؤ
ہر لفظ کو تصویر بناتے جاؤ
یہ سلسلہ پہنچے تو کسی منزل تک
آواز کی زنجیر بناتے جاؤ

تصویرِ وفا کچھ اور ہو جاتی ہے
جادو اثری پیار کی سو جاتی ہے
حالات کی گھنگھور گھٹاؤں کے تلے
سورج رہتا ہے اور دھوپ کھو جاتی ہے

ٹکراتی ہے دیواروں سے آس آنکھوں کی
فریاد سُنے کون؟ اُداس آنکھوں کی
ساحل کوئی مل جائے تو دریا امڈے
آنکھوں میں سماتی نہیں پیاس آنکھوں کی

گم اپنی ہی راکھ میں ہو جاتی ہیں
فردا کے سیہ خلانے میں کھو جاتی ہیں
بجلیاں کہ اٹھتی ہیں زمیں کے دل سے
تاریخ کی آغوش میں سو جاتی ہیں

کیا ہوتی کبھی خود سے ملاقات اپنی
جیتا بھی تو محسوس ہوئی مات اپنی
دشمن کا بھی میں دوست ہوں لیکن حرمت
دشمن ہوں کسی کا تو وہ ہے ذات اپنی

آئینِ تغیر کی قسم کھاتا ہے
احساس، تنوع سے جلا پاتا ہے
حرمت کسے معلوم کہ دم سورج کا
انوار کے محبس میں گھٹا جاتا ہے

تاریخ کہے کس سے، چمن لٹتا ہے
شادابیِ تہذیب کا دم گھٹتا ہے
وقتِ گزراں کس سے مدد مانگنے جائے؟
لمحات کے سینے سے دھواں اٹھتا ہے

لمحات کو جاوداں بنا جاتا ہے
بے نور جبینوں کو سجا جاتا ہے
تاریخ کے ہر موڑ پہ شاعر کا قلم
چپکے سے نئی شمع جلا جاتا ہے

کیا شکوہ اجالوں کی انوکھی دھج کا
کیا ذکر اندھیروں کی کلاہِ کج کا
شرمندہ بھی کیا ہوں کہ سرِ شہرِ زیاں
کرنوں نے گلا گھونٹ دیا سورج کا

کلیوں نے ستایا تو کہاں جاؤں گا؟
غموں نے رلایا تو کہاں جاؤں گا؟
حساس کے شعلوں میں جھلستے لمحو!
رنوں نے جلایا تو کہاں جاؤں گا؟

رم جھم کی صدا روح کو برماتی ہے
بوندوں کی کھنک دل میں اتر جاتی ہے
یادوں کے خرابے میں بھڑکنے لگی آگ
بھیگے ہوئے اشجار سے آنچ آتی ہے

کیا جانے کوئی شمع جلے یا نہ جلے
چٹان سنی یہ رات ڈھلے یا نہ ڈھلے
تنہائی کا احساس مکمل ہو جائے
ملنے دو لرزتے ہوئے سایوں کے گلے

فردا کے حسیں چہرے سے اٹھتی ہے نقاب
کھلتے ہیں بہار آفریں لمحوں کے گلاب
تاریک فضاؤں پہ ہے صدیوں کا جمود
میں چھیڑنے آیا ہوں اجالوں کا رباب

ہر جام کو آلودۂ سم کرتا ہوں
پھولوں بھری ہر شاخ قلم کرتا ہوں
وہ خواب جو دیکھے ہیں کھلی آنکھوں سے
اُن خوابوں کی تاریخ رقم کرتا ہوں

وقت اپنے خم و پیچ پہ اتراتا ہے
نا دیدہ مراحل کی خبر لاتا ہے
یہ فکرِ سبک سیر ہے کتنی سفاک!
ہر لمحے میں اک دور گزر جاتا ہے

اربابِ شعور کو یہ غم تھوڑے ہیں؟
[کہنے کو مہ و سال کے رخ موڑے ہیں]
مظلوم ہے کس درجہ مری خلاقی!
خود اپنے تراشے ہوئے بت توڑے ہیں

انسان کے ماضی کا فسانہ دہراؤ
کس طرح جئیں اہلِ اخلاص بتاؤ
کھوئی ہوئی دنیا کی سہانی قدرو!
دم بھر ہی کی خاطر سہی آ کر مل جاؤ

نادیدہ خلاؤں سے گزر آئی ہے
اک نقش کی مانند ابھر آئی ہے
احساس کے پیچیدہ مراحل کی قسم
چہرے کی تھکن دل میں اُتر آئی ہے

مشعلیں جلاتی سی چلی جاتی ہے
کڑیوں کو ملاتی سی چلی جاتی ہے
یہ ایک اچٹتی سی لگاوٹ کی نظر
زنجیر بناتی سی چلی جاتی ہے

کیا جانیے، کب نور کے ساغر چھلکیں
کس آن اجالوں کی جبینیں جھلکیں
اک صبح کی خاطر کہ ہے آنے والی
جھپکائیں نہیں قرنوں سے دل نے پلکیں

اک ناؤ بھنور کی، میں ہوا جاتا ہوں
کس راکھ میں کھویا سا چلا جاتا ہوں
لمحات کے جھونکو! نہ ستاؤ اتنا
محسوس یہ ہوتا ہے، بجھا جاتا ہوں

امیدوں کا اک ہار بنا ٹوٹ گیا
دل جیسے کوئی آبلہ تھا، پھوٹ گیا
دنیا کو نظر بھر کے دیکھا تھا جہاں
احساس کا وہ موڑ کہاں چھوٹ گیا؟

کنکریوں نے ہیرے کا جگر کاٹا ہے
اخلاص کے سودے میں بڑا گھاٹا ہے
ہم لے کے کہاں جائیں دھڑکتا ہوا دل
احساس کے بازار میں سناٹا ہے

دل کس لئے کانٹے سا کھٹکتا ہوتا
فکر آدما کیوں رقص لہو کا ہوتا
ہونا تھا تعارف کہ قیامت ٹوٹی
اے کاش کہ اپنے کو نہ جانا ہوتا

ہر کشمکش درد کو اپنا لیتا
ہنس لیتا، گا لیتا، غم کھا لیتا
ادراک لگاتا ہے کچوکے ورنہ
دل کو میں کھلونوں سے بھی بہلا لیتا

لہجے کے خم و پیچ میں سو طرح کے راز
سائے کی طرح ڈولتا، لفظوں کا گداز
کہتی ہے کہ دم بھر کو ٹھہر بھی جاؤ
چلمن سے ابھرتی متواضع آواز

احسان کا بوجھ دھرتی پھینک آتی ہے
قرض اپنا یہ مع سود چکا جاتی ہے
لوٹاتی ہے آکاش کو پورا سورج
پانے کو تو ایک ایک کرن پاتی ہے

سکے کی طرح اس نے مجھے ڈھالا ہے
پودے سا تراشا ہے، نمو بخشا ہے
کب ایسے تھے شخصیتِ جاں کے تیور
احساس نے تکمیل کو پہنچایا ہے

خاموش چٹانوں سے ابھارا ہے مجھے
آذر کدۂ فن میں اتارا ہے مجھے
انسان کا پیکر بھی ہے اک پارۂ سنگ
احساس کے تیشے نے سنوارا ہے مجھے

سانسیں تو بُنا کرتی ہیں انساں کا کفن
کب سنبھلا ہے ان ہاتھوں سے دل کا درپن
الفاظ و معانی ہیں عناصر حرمت
احساس مری روح ہے، میں اس کا بدن

٥

پیروں پہ کھڑا ہونا، سنبھلنا سیکھے
بے بسی کے انداز بدلنا سیکھے
بچے کی طرح بوجھ بنا ہے جیون
کاندھے سے اتارو تو یہ چلنا سیکھے

احساس کی ضو، فکر کی جھلمل نہ بجھے
وہ لَو کہ ہے تقدیرِ مراحل نہ بجھے
یہ رات کا مہتاب ہے دن کا خورشید
آشفتہ سرو! شمع بجھے دل نہ بجھے

شبنم بھی، شرارہ بھی، گہر بھی آنسو
عورت کی دعاؤں کا اثر بھی آنسو
کس طرح کی یہ معرکہ آرائی ہے
تلوار بھی آنسو ہے، سپر بھی آنسو

لمحوں کا اشارہ جو کبھی پاتا ہوں
اوراقِ مہ و سال الٹ آتا ہوں
اک شمع لئے ذہن میں: دھندلی دھندلی
ماضی کے خرابے میں پہنچ جاتا ہوں

اشعار

درد کی چنگاریو! یوں غم نے یہ سمجھا دیا؟
دل کا پیکر سنگِ حرماں سے تراشا جائے ہے
کوئی عالم ہو، کہاں جاتا ہے دل کا بانکپن
اپنے ہی پرتو سے یہ آئینہ پگھلا جائے ہے

کاروبارِ قربت و دوری بھی ہے کیا عشوہ گر!
اجنبی اخلاص گستر، آشنا نا آشنا

بلاؤ! مجھ سے نہ مانگو خراجِ پسپائی
میں ہر خوشی کے مقابل رہا ہوں سینہ سپر

قمقموں کے اتر گئے چہرے
بام و در میں سجی ہے تنہائی
جسم سے ہے لگا ہوا سایہ
ساتھ دل کے لگی ہے تنہائی

جانے کس پھول نے بھونرے سا چھپا رکھا تھا
مدتوں جسم نے ڈھونڈا ہے تو پایا ہے مجھے

عجیب کھیل ہے تقدیر اپنی پرکھے کون
دیوں کی ناؤ سرِ آبجو اتارے کون
دل و زباں کی طہارت تو اور ہے نایاب
مری طرح تجھے چاہے تجھے سراہے کون
رفاقتوں نے اجاڑی ہے اور محفلِ جاں
کسے بنائے کوئی دوست، ساتھ ڈھونڈے کون
اک عمر ہوتی ہے خوش فہمیوں کی بھی حرمت
سدا بنایا کرے ریت کے گھروندے کون

نخلوں نے کی خندہ زنی بھی لیکن ہم تھے ہشیار
ٹھنڈا موسم خنک ہوائیں چلتا سائے سائے کون

تا بکے رہتی گریزاں ہم سے لیلائے حیات
مدتوں کھیلا کیے ہیں پردۂ محمل سے ہم
بن گیا زنجیرِ پا شمعِ تمنا کا جمال
لوٹ کر آنے نہ پائے جلوہ گاہِ دل سے ہم

نہ مل سکی ترے دامانِ لطف کی منزل — بھٹکتے رہ گئے پلکوں پہ عمر بھر آنسو
کسی نے بھیک نہ دی اپنی غمگساری کی — لئے پھرے ترے حرمت کو در بدر آنسو

ہم زباں تھا نہ ہم نوا کوئی — کون پہچانتا مری آواز
وقت کی کج ادائیاں تو یہ — تجھ سے کم نہیں یہ عشوہ طراز

پائیں گے ہم زندگی کھو کر حیاتِ جاوداں — سن کے یہ، برہم بہت رسمِ فنا ہم سے ہوئی
اول اول زندگی تھی کج ادا کتنی، نہ پوچھ — مر مٹے اس پر تو یہ کچھ آشنا ہم سے ہوئی

وہ چند لمحے جو زندگی کے سفر میں تھک کر بچھڑ گئے تھے
میں وادیِ آرزو میں ان کو کہاں کہاں ڈھونڈتا رہا ہوں

ہمیں کشاکشِ طوفاں کی داد کس سے ملے — نہ ڈوبتا ہے سفینہ نہ پار ہوتا ہے
سلگ رہی ہے اک امید اس طرح دل میں — چراغ جیسے سرِ رہگزار ہوتا ہے

شہرِ مہتاب سے یہ کس کا پیام آتا ہے! — دل دھڑکتا ہے تو دھڑکے ہی چلا جاتا ہے

تمھارے نمو کا بھی ہے کوئی موسم؟ — مرے نخلِ امید کی شاخسارو!
دکھاؤ ذرا فکر کی تیشہ کاری — چٹانوں سے کوئی اجنتا ابھارو

جیتے جی یہ راز کھلے کیا — کس نے کتنا زہر پیا ہے؟
دل ہے چہرہ — چہرہ ہے دل — کون مجھے پہچان سکا ہے!
خون کے اس قلزم میں دل کا — ایک جزیرہ ننھا سا ہے

کب کوئی درد کی زباں سمجھا — کون ہو دل کا ترجماں یارو

کسی آدم کی ہمیں بھی ہے تلاش — اپنی دنیا کے خدا ہم بھی ہیں
جستجو کس کی ہے معلوم نہیں — سرگراں مثلِ صبا ہم بھی ہیں

درماندگی میں بھی ہے وہی لذتِ سفر   احساس زندگی نے وہ جادو جگائے ہیں

تخلیقِ مہ و انجم کے لئے گردوں کی فطرت پیش آئی   محدود زمین تک کھو نہ سکا جب حسن مرے افسانے کو

ناز تھا کتنا قیسِ جنوں پیشہ کو چڑھا کر دل کی بھینٹ

کوہکنی نے کھولا راز، محبت سر کا سودا ہے

نگری نگری گھوم رہا ہے ذوقِ تجسس دل کو لئے

لوگ سمجھتے ہیں، ہم کو تسخیرِ قمر کا سودا ہے

اشجارِ بے بصر کی طرف کیا اٹھائے آنکھ   اپنی پھبن پہ لالۂ صحرا اداس ہے

گیتوں کی لَے پہ جھوم مگر اس طرح نہ جھوم   مطرب سے پوچھ، کس لئے اتنا اداس ہے!

مسافتوں کی طوالت کا راز کچھ تو کھلے   دلوں کی وادیِ غم میں سفر کیا جائے

منزلِ شرح نہیں اس قدر آساں ورنہ   اک تبسم نے دیا کتنے سوالوں کا جواب!

چلے خلد سے ہم جو سوئے زمیں   مہ و مہر بھی ہم سفر ہو لئے

یہ کہتی ہے، انسان پائندہ باد   حیات اپنے دامن کا سایہ کئے

اب اس کے سوا کیا کہے آدمی   یہ دنیا بنی تھی ہمارے لئے

ابھرتے رہے عصرِ نو کے خطوط   بدلتے گئے وقت کے زاویے

فطرتِ عشق بھی کس درجہ عجب ہوتی ہے   پھول ملتے ہیں تو کانٹوں کی طلب ہوتی ہے

افقِ درد! ہے یہ کون سی منزل کہ جہاں   عشرتِ صبح بھی پروردۂ شب ہوتی ہے

ربابِ شباب کی حدیں ملا کے خوش ہوں گیا   کہ ایک فاصلہ بھی ہے ربابِ شباب تک

نہ ہو وہ میرے ہی جام تہی میں چہرہ پوش   جس آفتاب کی جویا ہے صبحِ میخانہ

مئے نشاط سے لبریز اس قدر بھی نہ کر   چھلک نہ جائے کہیں زندگی کا پیمانہ

بھڑک اُٹھے تو نہیں خیرِ شمعِ محفل کی
وہ آگ دل میں جو رکھتا ہے عزمِ پروانہ

خود اپنے گیسوئے برہم سنوارنا سیکھو
کہیں زمانہ بدل دے نہ فطرتِ شانہ

ایمائے خرد پر دل اٹھا جب عقدۂ غم سلجھانے کو
الجھا بیٹھے ہم اور سوا احساس کے تانے بانے کو

زندانِ صدق کی تنہائی! کیا بات ہے، تجھ میں کچھ تو بتا
حسرت سے کہاں تک ہم دیکھیں قطرے کے گہر بن جانے کو

اہلِ محفل کا اتنا بڑھا حسنِ ظن
جل اٹھی گرمیِ شمع سے انجمن

بوجھ دل کا لئے ہم کہاں تک چلیں
مرحلے دے گئے منزلوں کی تھکن

آخر لیا نہ دوریِ منزل نے انتقام
اہلِ سفر سے روٹھ گئی لذتِ خرام

تنویرِ مہر و ماہ نے لیں کتنی کروٹیں
میں سوچتا ہی رہ گیا، یہ صبح ہے کہ شام؟

سمو کے روح میں پہنائیاں زمانے کی
نجانے دیکھتا ہوں راہ کس کے آنے کی؟

چمن میں گریۂ شبنم سے خندۂ گل تک
ملیں گی کتنی ہی کڑیاں مرے فسانے کی

جو اپنی لَے کے خم و پیچ سے نہ ہو آگاہ
وہ کائنات میں نغموں کا زہر بوتا ہے

فسانے کتنے سنائے، فسانے کتنے سنے
اور اس کے بعد خود افسانہ ہو گئے ہم لوگ

پڑی جو ہمسفروں پر کوئی نئی افتاد
تو میرے عزم کا، میری تھکن کا ذکر آیا

حرمت یہی تو منزلِ فردا کہیں نہیں
اک روشنی سی ہے جو پسِ پردۂ غبار

عشق نے بدلی نہ اپنی فطرتِ شب زندہ دار
تجھ کو پا کر بھی ترے آشفتہ سر جاگا کئے

ڈر رہا ہوں تیرگی سے ہو نہ جائے دل کو پیار
رات ہے یا تیری زلفِ مشکبو کی داستان

رہگزارِ کیف و کم سے منزلِ ادراک تک
زندگی ہے اک مسلسل جستجو کی داستاں

گزرتے لمحوں کے نازِ سفر میں ڈھلتی ہے
یہ زندگی، مرے خوابوں کے ساتھ چلتی ہے

چلو، ستارہ کوئی توڑ لائیں گردوں سے
نہ شمع جلتی ہے حرمت نہ رات ڈھلتی ہے

ہر ایک یہ کہتا ہے، قدم تیز بڑھاؤ
رفتار نہ سمجھا کوئی وقتِ گزراں کی

اے جاگتی راتو! یہ ستم مجھ پہ ہوا اور
خوابوں نے قسم دی مجھے بیداریِ جاں کی

کیا روئیں محبت کو کہ اے عظمتِ آدم!
دنیا نے سلیقے سے عداوت بھی کہاں کی!

پہنچیں گے تری بزمِ دلآرا میں بھی اک روز
تاریک خلاؤں میں ابھی خیمہ زنی ہے

اے اہلِ جنوں! دور نہیں منزلِ شیریں
ہاں! بیچ میں اک مرحلۂ کوہکنی ہے

ڈرتا ہوں کہ چپکے سے اتر جائے نہ دل میں
یہ لمحۂ بیتاب کہ نیزے کی انی ہے

چاند کو پیار سے اس واسطے تکتا ہوں کہ یہ
ایک بے مہر کا مندوب کہا جاتا ہے

عکس اپنا ہی سنور جائے تو ہے دشمنِ جاں
کیا کسی اور کو محبوب کہا جاتا ہے

دل سے دل تک کئی شعلوں کئی پھولوں کا سفر
اور کس چیز کو مکتوب کہا جاتا ہے

حرمتِ احساس کی پوچھی نہ زباں ہے نہ بیاں
دھڑکنوں کو مرا اسلوب کہا جاتا ہے

اٹھ کر جھکی ہے، جھک کے اٹھی ہے کوئی نگاہ
اک اک فسانے کے کئی عنواں لئے ہوئے

کس کو ازل سے ڈھونڈ رہا ہے، خبر نہیں
انساں، امانتِ غمِ پنہاں لئے ہوئے

یہ بھی ہوا ہے، پھول سے دل پر میں نے کتنی چوٹیں کھائیں
یہ بھی ہوا ہے، میں نے کتنے دل دھڑکائے تیرے نگر میں

متاعِ دل کو بچایا بھی اور لٹایا بھی
تیرے لئے نگہِ یار! صرف تیرے لئے

پاتی ہے نمو کیسے غمِ دل کی حلاوت
رکھتا تھا ہمیں یاد مگر بھول گئے ہم

آئینوں سے بھی ٹکرا کر
ٹوٹے ہیں اکثر آئینے

یہ زندگی پروردۂ دردِ ازلی ہے
الجھی ہے جو کانٹوں سے تو شعلوں میں جلی ہے

جنت کی حقیقت سے کروں کس طرح انکار
وہ بھی تو مرے شہرِ تمنا کی گلی ہے

پابندِ سن و سال نہیں اس کی جوانی — دنیا ہے کہ حرمت کوئی نوخیز کلی ہے

جینا پڑا کہ فرض یہ ہم کو عزیز تھا — ورنہ حیات ہوتی ہے کیا؟ ہائے کیا کہیں

غمہائے رنگ رنگ کی شدت میں گزری ہے — یہ عمر، زندگی کی عیادت میں گزری ہے

تھی جاں ستاں ہزار مگر یاد آئے گی — وہ زندگی کہ جینے کی حسرت میں گزری ہے

ہنگامہ زارِ وقت میں ملتا کہاں سکوں — حرمت! حیات درد کی خلوت میں گزری ہے

آساں نہ تھا سکوت کا مفہوم جاننا — جاں نذر کی تو شہرِ خموشاں تک آئے ہیں

اے کوہکنو! ہم میں بھی کچھ لوگ ہیں ایسے — خسرو جو نہ بن پائے تو فرہاد ہوئے ہیں

میں خموش تھا مگر ڈال کر تم اک نظر — کیوں مرے سکوت کو شرمسار کر گئے؟

جانے کتنے اصنام توڑے — لی جو کروٹ مری بت گری نے

لاکھ غم ہوں، یہ کیا کم خوشی ہے — زندگی کا صلہ زندگی ہے

ہے کوشش میں دنیا کہ ہم کو سمجھ لے — ادھوری سی اک گفتگو ہو گئے ہم

تری پردہ داری کو رسوا کیا ہے — کہ آشفتۂ رنگ و بو ہو گئے ہم

مکھڑے کا اجالا ہے کہ تفسیرِ معانی — پلکوں کی یہ لرزش ہے کہ ابہامِ غزل ہے

اک ضرب تو ہے سلسلۂ تیرہ شبی پر — اک لمحے کا یہ رقصِ شرر بھی ہے بڑی چیز

گزرے ہوئے ہنگاموں کا مدفن سہی لیکن — بے رونقیٔ شام و سحر بھی ہے بڑی چیز

کوئی اٹھایا گیا اور کوئی خود اٹھا — کسے کسے تری محفل تلاش کرتی ہے!

رہِ طلب میں ہے بڑھ کر ہزار شمعوں سے — وہ ایک شے جسے کہتے ہیں شعلۂ رفتار

کیوں جادۂ حیات میں ہر گام پر ہو ساتھ — مڑ مڑ کے پوچھتا ہوں یہ ایک ایک خواب سے

سمجھا تھا یہ کہ سارے مراحل ہوئے تمام — دیکھا تو گھر سے لوٹ کے آیا ہوں گھر کو میں

روح، زخموں سے چور ہے حرمت — یہ ہنسی جسم کا لبادہ ہے

اور ہی چیز ہے بیداریِ جاں — جاگ لو خود تو زمانے کو جگاؤ

حرمت تم پر رشک کبھی آتا ہے کبھی رحم آتا ہے — گھاٹے کا سودا کرنا اور پھر اس پر اترانا بھی

ایک تصور، ایک تمنا لے کے دلِ ناکام جلے — درد کے قاتل شعلوں میں تنہائی کی ٹھنڈی شام جلے

خوشا وہ لمحہ کہ لایا فروغِ جاں کا پیام — نہ جانے کب سے بجھی پہلو میں ایک آگ دبی

حرمت امید سے کب رشتۂ جاں ٹوٹا ہے — کسی پتھر سے یہ آئینہ کہاں ٹوٹا ہے!

آوازوں کے صحرا میں بھٹکتا ہوں کہ حرمت — گفتار یہ عالم ہے غریب الوطنی کا

سرورِ تیز روی میں نہ لڑکھڑا جاؤ — نئے نئے ہیں مراحل، سنبھل سنبھل کے چلو

چلئے کہ دادِ سادہ دلی دے گا اور کون — آئی ہے آستین میں دنیا چھری لئے

چھونے سی لگی ہے مرے زخموں کو کوئی آنکھ — اک ہاتھ مرے دل کی طرف دیکھ رہا ہے

مجھ میں جو اک ذرا ہے نکھر جائے فن اس کا — پتھر کی طرح اس لئے ہر وار سہا ہے

باز آتی نہیں ستانے سے — زندگی کس قدر ہٹیلی ہے!

کیسے آغوش میں تھمیں خوشیاں — بازوؤں کی گرفت ڈھیلی ہے

ڈھل نہ پائی ہنوز سانچے میں — دل کی مٹی بھی کتنی گیلی ہے

جادہ جادہ فکر و نظر تقسیم ہوئے — منزل منزل اہل سفر تقسیم ہوئے

انساں انساں تک پہنچے یہ منزل اتنی سہل نہیں — راہ سمٹتی جاتی ہے اور دوری بڑھتی جاتی ہے

کسی سے مل کے خوشی کیا ہو اس زمانے میں — کہ حد خلوص کی ہے رسم ہم نشینی تک

اس طرح دیر سے تکتا ہوں فلک کی جانب — جس طرح لوگ بزرگوں کی دعا لیتے ہیں

اک تیشہ زن کو روتا ہے کب سے دیارِ عشق — پھر کوئی جوئے شیر نہ لایا ترے لئے

یہ رات، رسمِ چراغاں کا ڈھونڈتی ہے جواز
یہ چراغ پوچھ رہے ہیں کہ روشنی کیا ہے؟

دن میں سورج کو سر دوش لئے پھرتا ہوں
رات کو چاند کی ڈولی مرے گھر آتی ہے

کیا جانے کس خیال میں پھرتے ہیں گاؤں گاؤں
دلسوزیوں کی دھوپ ہے دلداریوں کی چھاؤں

اے دور کے مسافرو! روٹھو نہ اس طرح
کاندھے پہ ہے وہ بوجھ کہ اٹھتے نہیں ہیں پاؤں

رونے میں لطف آنے لگا ہے دنیا کی خوشیوں سے سوا
پیار کی یہ منزل ہے بھاری، حال نہ پوچھو، جانے دو

گیا تھا بزم میں ان کی تو جا کے کیا پایا؟
اُداس اداس گیا تھا اداس اداس آیا

کون پوچھے حال تیرا اتنی دلسوزی کے ساتھ
دوسرے کے غم کو میری طرح اپنائے گا کون؟

جانے کس قاتل کی گلی ہے
سائے سائے دھوپ چلی ہے

جلوہ آرا ہے دریچے میں یہ کس کا چہرہ
رات ہوتی تو مجھے چاند کا دھوکا ہوتا

اس طرح جاتا ہوں تیری بزم سے
جیسے دریا سے کوئی پیاسا چلے

کج ادائی بھی ضروری ہے محبت میں مگر
دل کو کیا کیجے کہ کافر بدگماں ہو جائے ہے

ہیرے کی کنی کس سے سنبھالی گئی حرمت
احساس کی سوغات عطا ہم کو ہوئی ہے

حرمت اک گھر کی یہ بستی ہے، مدد کو آئے کون
راہزن ہے مہرباں اور رات گہری، دل کی خیر

یہ جاگ اٹھا تو رات کا کٹنا محال ہے
نیند آ گئی ہے وقت کو، آہستہ بولئے

دل پگھل اٹھا ہے مثلِ فولاد
ڈھالئے حرف و نوا کی زنجیر

پتھر آتے ہیں، ضرور آئیں گے
وقت کی شاخِ ثمر ور ہوں میں

دوستوں کے انداز نہ پوچھو، ان کا پیار انوکھا ہے
اپنی غرض سے پاس آتے ہیں، مجھ سے تعلق اتنا ہے

ان سے کہہ دو، سادہ دلی کی قدر، زمانہ کیا جانے
کیا یہ وہی حرمت صاحب ہیں جن کا اتنا چرچا ہے

اسی زمین کی اک مشتِ خاک ہوں لیکن زمیں سمجھتی رہی اپنا آسمان مجھے

ناخوشی میں بھی تھے ہم خوش، یہ محبت تھی عجیب اُس سے روٹھا نہ گیا، مجھ سے منایا نہ گیا

آملے راہ میں تم، ہو گئی منزل آساں ورنہ یہ بوجھ اٹھائے نہ اٹھایا جاتا

دل سے ہونٹوں تک پہنچ کر آ گئی باتوں میں دھار تیر جتنے تھے، پلٹ کر پھر کماں تک آ گئے

خستہ پائی، بے دلی اور پھر یہ اندازِ سفر سوچنا پڑتا ہے، آخر ہم کہاں تک آ گئے

کسی مچلے ہوئے بچے کی صورت نجانے کون دل میں چیختا ہے

مسافر کاٹ آیا کتنا رستہ تو دیکھا میل کا پتھر گرا ہے

الجھ جائے گی حرمت اور یہ ڈور گرہ کیوں حسرتوں کی کھولتا ہے

بدلی ہوئی ہے کوچۂ دلدار کی ہوا وہ رت بہار کی ہے نہ وہ پیار کی ہوا

سنگدل وقت نے پیدا کئے آذر کیا کیا ڈھونڈ کر لائے یہ کہسار سے پتھر کیا کیا

ناپ اور ہے فاصلوں کی لیکن کیا تھاہ سمندر کی پائیں
لمبی تھی کہانی اوروں کی میری خاموشی گہری تھی

یہ نگر نگر۔ جنگل جنگل بھٹکی لیکن سکھ پاتی کیا
ٹھوکر یہ نہ ٹھوکر کھاتی کیوں، امید جنم کی اندھی تھی

ساون کی گھٹاؤں سی شیتل، پھاگن کی ہواؤں سی چنچل
وہ دنیا بھی کیا دنیا تھی جو ساتھ ہمارے کھیلی تھی

مہکے گا تو ناگ آئیں گے — چندن اجلا ہو یا کالا

کس طرح راہ طے ہو کہ اٹھتے نہیں قدم — صدیوں کا بوجھ سر پہ سنبھالے ہوئے ہیں لوگ
شعلے کی طرح جس کو بجھایا نہ جا سکے — کیا درد ہے کہ سینوں میں پالے ہوئے ہیں لوگ
جگ جگ کی روشنی کا تسلسل نہ ٹوٹ جائے — دل کی طرح دیے کو سنبھالے ہوئے ہیں لوگ

ہزار بھیس بدلتی ہے دل کی تنہائی — کلی سا ہنستی ہے شبنم کی طرح روتی ہے

آرزوؤں سے کہو، روکیں نہ میرا راستہ — زندگی ہے نہ بندگی کا مدعا میرے لئے

روح میں بس کے اک تمنا نے — اور دنیا اجاڑ دی میری

دی رفعتِ گردوں کسے خورشیدِ سحر نے — کہتے ہو کہ شبنم کو سحر راس نہ آئی

آنکھیں برس پڑی ہیں مگر لب نہیں ہلے — یوں بھی ہوا ہے ذکر تمھارا کبھی کبھی
حسنِ کرم سے ان کے جو منسوب ہو ذرانہ — ہوتا ہے زندگی سے بھی پیارا کبھی کبھی
نظروں سے جتنی دور اسی درجہ دل کے پاس — پایا ہے ان کو انجمن آرا کبھی کبھی

کتنی بجھی بجھی ہوئی کتنی گھٹی گھٹی — جیسے کسی غریب کا ارماں ہے زندگی

غم تو کیا عیش میں جینا بھی کچھ آساں نہیں — زیست کا بار عجب بارِ گراں ہوتا ہے

کلیاں کھلتی ہیں تو آتی ہے چٹکنے کی صدا — ورنہ ہر ساز کی قسمت میں ترنم تو نہیں
مرے ہونٹوں پہ لرزتی ہے جو مدھم سی لکیر — یہ تبسم کا جنازہ ہے، تبسم تو نہیں

آنسوؤ! تم اس غربت میں — ڈھونڈتے ہو کس کا دامن؟

ان کے تبسم کی جھلمل — جیسے صبح کی پہلی کرن

کہتا رہا کچھ اور ہی عقل کا زعمِ آگہی — حسرتِ سجدہ رہ گئی سر نہ کہیں جھکا سکے

کیا جانے کب برسے بادل — سوکھ چلی من کی پھلواری

چٹانوں کے مقابل لاکھ ہو شانِ توانائی — مگر پھولوں کی نازک چوٹ سے ٹوٹے ہیں دل اکثر
تمنا اس قدر حساس ہوتی جا رہی ہے کیوں؟ — خود اپنی روح کی آواز پر دھڑکا ہے دل اکثر
ہماری بیکسی کے دیکھ کر تیور نجانے کیوں؟ — حوادث کی صلابت ہو گئی ہے مضمحل اکثر

اظہارِ حقیقت کے خطاوار رہے ہیں — ہر دور میں منصور سرِ دار رہے ہیں
کرتے سر تسلیم ترے سامنے خم کیا — ہم وہ ہیں کہ آپ اپنے پرستار رہے ہیں
شکوہ ہی رہا لغزشِ مستانہ کو کیا کیا! — ہم نشے کے عالم میں بھی ہشیار رہے ہیں

ہوش میں رہنے دیا خود آگہی نے کب مجھے — اور دیوانہ ہوا ہیں باخبر ہونے کے بعد

آلام سے تو روز کا ہے واسطہ مگر — خوشیوں سے بھی ہوا ہے تصادم کبھی کبھی

نہ سہی ذوقِ انتظار مگر — دل شب زندہ دار باقی ہے

حرمت اس غربت نصیبی کا کریں کیا تجزیہ — جانے پہچانے مناظر اجنبی سے ہو گئے

کیا کریں اہل سفر چھاؤں ترے نغموں کی — مطربہ! دور بہت دور ہمیں جانا ہے

سنتے ہیں راستے میں ہے دنیا کوئی نئی — ٹھہرو، فروغِ شام و سحر ہم بھی دیکھ لیں

دو آتشہ سا ہونے لگا نشۂ طلب — اتنے قریب سے تمھیں دیکھا نہ تھا کبھی

لپٹے ہوئے ہیں پاؤں سے بے رحم فاصلے — منزل پہ مرحلوں کی تھکن اور بڑھ گئی

اے دلِ تنہا! کون کسی کا — یہ ہے دنیا، کون کسی کا

اس کے سینے میں چھپی تھیں کتنی ہی پرچھائیاں — زندگی خود اپنی تصویروں سے ٹکرائی بہت
دور تک منزل بہ منزل ساتھ آئی دل کی آگ — سوزِ غم کی داستاں سانسوں نے دہرائی بہت
ڈوب بھی جاتے تو خود ہوتی پشیمانی ہمیں — ہم نے ناپی ہے تری باتوں کی گہرائی بہت
سلسلہ در سلسلہ بڑھتی گئیں تنہائیاں — روز و شب نے وقت کی زنجیر کھنکائی بہت

دامنِ شب سے لپٹ کر سو رہے ۔۔۔ کام آئی غم کی لیلائی بہت

وہی ہم، وہی بے اماں ساعتیں ۔۔۔ گزر جائے گا دن تو رات آئے گی

خیالوں کا محور بدلتا نہیں ۔۔۔ کوئی بات ہو تیری بات آئے گی

ذرا سج تو لے آنسوؤں کی دلھن ۔۔۔ تو پھر قہقہوں کی برات آئے گی

جھومتیں سر پہ نہ ساون کی گھٹائیں لیکن ۔۔۔ کسی امید نے جھولا تو جھلایا ہوتا

آسودگانِ غم کا یہ ایثار ہو کہ جبر
اتنا تو ہے کہ تیرے لئے مسکرائے ہیں

چند اہلِ انجمن کو ہے اس بات کا گلہ
کیوں ہم نے روشنی کے لئے دل جلائے ہیں؟

ہو جائے لازوال متاعِ نقوشِ پا
خود رہگزر میں اس لئے کانٹے بچھائے ہیں

پھر چلیں ڈھونڈنے ایسا کوئی ہے بھی کہ نہیں ۔۔۔ پہلے یونہی کوئی تصویر بنائی جائے